قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۶
جمادی الاخریٰ: ۱۴۴۷ھ - دسمبر: ۲۰۲۵ء
قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر/مُدیر مسئول
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات''، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

ماہنامہ بینات جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی
جمادی الاخریٰ: ۱۴۴۷ھ - دسمبر: ۲۰۲۵ء

بصائر و عبر

مساجد و مدارس کو جبر کا نشانہ نہ بنایئے!	۳	محمد اعجاز مصطفی

مقالات و مضامین

مکاتیبِ شیخ محمد نمنکانی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۹	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۱۳	مولانا ڈاکٹر فہد انوار
بڑوں سے بے نیازی ... بربادی کا راستہ	۲۲	مولانا محمد راشد شفیع
سردیوں میں عبادت کے فضائل و برکات	۲۵	مولانا محمد عرفان اللہ اختر
محدثینِ عظام ... عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)	۲۸	مفتی زبیر شاہ بنوی
وضعِ حدیث (حدیث گھڑنے) کی ابتدا اور دورِ صحابہؓ میں اُس کی روک تھام کی کوششیں	۳۱	مولوی محمد ارشاد
محدث و فقیہ علامہ بدرالدین عینیؒ ... حیات اور علمی خدمات	۴۰	مولانا عصمت اللہ نظامانی

یادِ رفتگاں

گوہرِ نایاب: مفتی محمد حنیف عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ	۴۷	مولانا محمد طیب زمان

دار الافتاء

ولیمہ اور نکاح کی مشترکہ دعوت اور ولیمہ کا مسنون وقت	۵۶	ادارہ
ایمان وعقیدہ کے بارے میں وسوسہ اور شک کی حیثیت	۵۷	ادارہ
مسلمان عورت کے لیے ٹیکہ، ماتھا پٹی اور ناک کی نتھ پہننا اور بوٹاکس (ناک سیدھا) اور لپ فلرز (ہونٹ موٹے) کروانا	۶۰	ادارہ

نقد و نظر

جامع الدُّروس العربيّة	۶۳	ادارہ

ی

مساجد و مدارس کو جبر کا نشانہ نہ بنایئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی!

اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں سے منجملہ شعائرِ دین کا قیام اور مساجد و مدارس کی تعمیر وتحفظ بھی ہے، اس اعتبار سے کسی بھی اسلامی ملک کی طرف سے مساجد و مدارس کی تعمیر وترقی میں کسی بھی نوعیت کا تعاون، فرض کی ادائیگی شمار ہونا چاہیے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ‘‘ (الحج:۴۱)

ترجمہ: ’’یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘ (بیان القرآن، حضرت تھانویؒ)

حالیہ دنوں میں پنجاب حکومت کی طرف سے مساجد کے ائمہ کرام کے لیے ماہانہ پچیس ہزار روپے وظیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا گیا ہے، اگر واقعتاً ائمۂ مساجد کی دینی خدمات کے اعتراف میں اور اُن کی قدردانی کے جذبے سے یہ وظائف جاری کیے جائیں تو بلاشبہ یہ اقدام قابلِ ستائش ہونا چاہیے، لیکن اگر اس کا مقصد علماء کرام کو اپنے کنٹرول میں رکھ کر منبر ومحراب اور مراکزِ اِصلاح و اِرشاد سے اُٹھنے والی حق و

صداقت کی صداؤں کو دبانا ہے تو اسے اعلانیہ رشوت کہنا بے جا نہیں ہوگا۔

ائمۂ مساجد کے لیے حکومتی اعانت کا مقصد حکمِ خداوندی کی پیروی اور علماء کرام کی قدردانی ہے یا انہیں دباؤ میں رکھ کر دینی راہنمائی میں من چاہی مداخلت؟ یہ فیصلہ اس وظیفے کے اجرا سے پہلے اور بعد میں حکومتی تعامل دیکھ کر بآسانی کیا جاسکتا ہے، بعض مساجد کے ائمہ کو دیے گئے حلف ناموں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ حکومتی وظیفہ حکومت، سرکاری اداروں، حتیٰ کہ علاقہ کے تھانے کی مرضی کے خلاف بات نہ کرنے سے مشروط ہوگا، اور ائمۂ مساجد کو اپنے ہر وعظ اور درس میں حکومتی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا ضروری ہوگا!

خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور سے لے کر جب تک اسلامی خلافتیں قائم رہیں، مساجد و مدارس کا انتظام و انصرام اسلامی حکومتیں دیکھتی رہی ہیں، لیکن ان کی یہ سرپرستی ظاہری نظم و خدمات اور تعمیر و ترقی تک محدود رہی ہے، دینی راہنمائی اور فتوے کے اجرا میں علماءِ حق ہمیشہ آزاد رہے ہیں، جہاں کہیں کسی تنگ نظر یا جابر حکمران نے حق کی آواز دبانے کی کوشش کی، علماءِ ربانیین کی جماعت نے ہر دور میں اُسے مسترد کرتے ہوئے مقابلہ کیا، اور سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا، ایسے حکمرانوں کی تنگ نظری کی اس دور میں بھی مذمت کی گئی اور تاریخ میں بھی اُن کا یہ جبر اِستعارہ بن گیا، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی سیرت کا مطالعہ نمونے کے لیے کافی ہے۔

اس لیے اگر مال و دولت کے ذریعے صدائے حق کو دبا کر منبر و محراب سے اپنی مرضی کی بات کروانا مقصود ہے تو اسے تنگ نظری اور جبر کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ آزاد اور مہذب معاشروں میں رائے عامہ اور حقِ رائے دہی کی تبدیلی کے لیے پیسے کا استعمال اخلاقاً و قانوناً جرم سمجھا جاتا ہے۔

الغرض اگر حکومت کا مقصد یہی ہے تو یہ کوئی پہلا تجربہ نہیں ہے، ماضی میں بھی اس طرح کی بہت سی کوششیں کی جاچکی ہیں، کبھی مساجد و مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کی کوششیں کی گئیں اور کبھی علماء و ائمہ کو مالی ترغیب و تحریص کا لالچ دے کر اور کہیں ڈرا دھمکا کر ان کی آواز کو اپنی آواز میں ملانے اور اسلامی تہذیب و اقدار کو دیس نکالا دینے کی جسارتیں کی جاتی رہیں۔ اس سب کے باوجود دین کے ان بے لوث خدام نے روکھی سوکھی کھا کر، بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر آوازۂ حق بلند کیا اور الحمد للہ آج تک ان کی اکثریت حکومتی دامِ فریب کا شکار نہیں ہوئی، اب ''پرانے شکاری اور نیا جال'' کے مصداق یہ نیا حربہ اختیار کیا گیا ہے۔

اس موقع پر کچھ لوگ ''مدعی سست گواہ چست'' کے مصداق، مذکورہ حلف نامے کی گواہی کے باوجود حکومتی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ حکومت کی نیت نیک ہے اور وہ علماء کرام وائمہ مساجد کی خدمات کو سراہنا چاہتی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کو مختلف ریاستوں

کی جانب سے امداد دی جاتی تھی۔ حیرت ہے کہ اب خلطِ مبحث کر کے اپنے اکابر کی روشن تاریخ کو بھی دھندلایا جائے گا۔جن ریاستوں کے نام لیے جاتے ہیں وہ خود دینی وعلمی کاموں کی سرپرستی کیا کرتی تھیں اور نظامِ مدارس میں مخل نہیں ہوئیں، اور اگر کبھی کسی نے مداخلت کی توقع رکھی تو دینی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر واضح کردیا گیا، جب کہ ہمارے ہاں کی حکومتیں امداد کے بہانے پورے نظام کو ہتھیانا چاہتی آئی ہیں، کیا ایسی مثالیں ہمارے سامنے نہیں گزریں کہ جن دینی جامعات کو سرکار نے اپنی تحویل میں لیا، آج وہاں کے نصاب ونظام کا کیا حال ہے! نیز سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا معیارِ تعلیم اور قابلِ رحم نظم و ضبط بھی پوری قوم کے سامنے ہے۔

ہمارے علماء کرام کا تو امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ خودداری اور آزادی کے ساتھ حق وانصاف کی بات حکمت وتدبیر سے کہتے آئے ہیں، جہاں کسی کی مالی اعانت اس راہ میں رکاوٹ بنی، فوراً اس سے دست کش ہوگئے، بلکہ ایسے نظائر بھی موجود ہیں کہ حاکمِ وقت کے دیے ہوئے تمام تحائف یہ کہتے ہوئے اسی وقت واپس کردیے کہ جس وقت یہ وصول کیے تھے، اس وقت سے اسی غرض سے محفوظ کر رکھے تھے کہ جب حق بات کہنے میں آپ کی طرف سے رکاوٹ آئی فوراً واپس کردیے جائیں گے، ہمارے اکابر نے اگر حکومت کی طرف سے دیا گیا کوئی عہدہ بھی قبول کیا ہے تو استعفا پہلے لکھ کر جیب میں تیار رکھا ہے، جہاں حق کہنے میں رکاوٹ محسوس ہوئی وہیں وہ پیش کردیا۔

دارالعلوم دیوبند کے آٹھ بنیادی اَساسی اصول

بانیِ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت مدارس اور تمام جامعاتِ دینیہ کی بقا وتحفظ کے لیے چند اصول وقواعد طے فرمائے تھے جو ’’اُصولِ ہشت گانہ‘‘ کے نام سے معروف ہیں، جو اپنے فوائد ومقاصد کے اعتبار سے تمام ہی مدارس کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اہلِ مدارس وجامعات کی تذکیر کے لیے یہ آٹھ اصول یہاں ذکر کیے جارہے ہیں، موقع کی مناسبت سے ان میں سے آخری تین اصول بطورِ خاص ملحوظ رہنے چاہئیں:

’’وہ اُصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارسِ چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں:

❶-اصلِ اول یہ ہے کہ تامقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیرِ چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیراندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

❷-ابقاء طعامِ طلبہ مل کر افزائشِ طعامِ طلبہ میں جس طرح ہوسکے، خیراندیشانِ مدرسہ ہمیشہ

ساعی رہیں۔

❸-مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسے کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنا میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اُسلوبِ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں، اور سامعین بہ نیتِ نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہماری مخالفت ہی کیوں نہ ہو، بہ دل وجان قبول کریں گے، اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد و صادر ہو، جو علم و عقل رکھتا ہو، اور مدرسوں کا خیراندیش ہو، اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہلِ مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بہ قدرِ ضرورت اہلِ مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کرلیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھے کیوں نہ پوچھا؟ ہاں! اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا، تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

❹-یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسینِ مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خودبین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں، خدانہ خواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسے کی خیر نہیں۔

❺-خواندگیِ مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورے سے تجویز ہو، پوری ہوجایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا، اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

❻-اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بہ شرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی، جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی، اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

❼-سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

❽-تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے، جن کو اپنے چندے سے اُمیدِ ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیتِ اہلِ چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔‘‘

اس لیے ہم علمائے امت سے بھی یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ کی مثال عوام کے درمیان ایسی

ہے جیسے انسانی جسم میں دل ہوتا ہے، اور حدیثِ نبوی کے بموجب اگر انسانی دل ٹھیک رہے تو اس کے تمام اعضاء درست کام کرتے رہتے ہیں، لیکن اگر یہ باطنی پُرزہ زنگ آلود ہونے لگے تو اس کا اثر پورے جسم پر پڑتا ہے۔ اسی طرح عوام کے درست راہ پر لگے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اس اُمت کے علماء کرام اپنے فرائضِ منصبی سرکاری مداخلت کا اثر قبول کیے بغیر سرانجام دیتے رہیں، کیوں کہ جہاں بھی جاہ وجلال اور مال و منال کی ملاوٹ آگئی تو وہاں اخلاص کے اس محل کو زمین بوس ہونے میں دیر نہیں لگی۔ مشکاۃ شریف کے کتاب العلم میں بحوالہ ابن ماجہ، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک موجود ہے:

''إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَأْتِي الْأَمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ، كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا - قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: كَأَنَّهُ يَعْنِي - الْخَطَايَا.''

''میری اُمت کے کچھ لوگ دین کی سمجھ اور تفقہ حاصل کرنے کا دعویٰ کریں گے اور قرآن پڑھیں گے، وہ کہیں گے: ہم اُمرا کے پاس جا کر ان سے ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کریں گے، اور ہم اپنے دین کی بنیاد پر ان (کے گناہوں) سے دور رہیں گے، حالانکہ ایسے نہیں ہوسکتا، جیسے قتاد (Astragalus) یعنی سخت کانٹے دار جنگلی درخت، سے صرف کانٹے ہی چنے جاسکتے ہیں، اسی طرح ان (اُمراء) کے قرب سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے...'' محمد بن صباح راوی نے کہا: گویا آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ: ''ان کے پاس جانے سے گناہ ہی حاصل ہوگا۔''

پاکستان میں مسلمان عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت مساجد و مدارس قائم کیے اور اُن کے جملہ مصارف کا بیڑہ انہوں نے خود اپنی مرضی اور خوشی سے اُٹھایا ہوا ہے، ان کی تعمیر وترقی اور دیگر ضرورت کے مواقع پر اربابِ حکومت کی توجہ نہیں ہوتی، بلکہ تعمیر کے بعد مختلف عنوانات سے مسجدیں شہید کرنے کے واقعات ہوتے رہے ہیں، اب اگر حکومت کو واقعی مساجد کے ائمہ کرام پر رحم آ گیا ہے اور اس امداد دینے میں ان کے عزائم اور ارادے نیک ومخلصانہ ہیں تو اربابِ حکومت سے درخواست ہے کہ سب سے پہلے مساجد اور دینی مراکز کے بجلی، گیس اور پانی کے بل معاف کریں، مساجد کی تعمیر، آبادی، اکاؤنٹس یا کسی بھی مرحلے میں حائل ہونے والی مشکلات اور رکاوٹ بننے والے امور حل کریں۔ نہ یہ کہ علماء کرام اور ائمہ حضرات کی آزادی سلب کرکے آواز دبانے کی کوشش کریں، یہ آپ کی دنیا اور سیاسی شہرت کے لیے بھی اچھا نہیں ہے، دینی راہنمائی میں جتنی آزادی ہوگی یہ حکومت کی نیک نامی کا باعث ہوگا، ہاں تشدد ومنافرت پر مبنی

آواز کسی بھی موقع پر اور کسی بھی فورم سے ہو، علماء کرام اس کی پرزور مذمت کرتے آئے ہیں، عدمِ برداشت وتشدد کے اسباب کچھ اور بھی ہیں، ان کے سدِ باب کی سنجیدہ فکر وکوشش کرنی چاہیے۔

ائمہ مساجد کے لیے بطورِ خاص ایک پہلو یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ بعض اوقات کوئی خدا ترس حکمران نیک نیتی سے وظائف کا اجرا کرے تو اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ آئندہ آنے والا بھی اس سلسلے کو دباؤ کے لیے استعمال نہ کرے، ماضی میں بھارت کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اخراجات سرکاری فنڈ سے پورا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اربابِ ندوہ نے کہا کہ: ''کل کو آپ کی جگہ کوئی اور ہوگا تو وہ امداد روک بھی سکتا ہے، ایسا نہ ہو کہ تاریخ میں آپ کو قاتلِ ندوہ کے نام سے یاد کیا جائے۔'' ہمارے ملک کے اندر صوبہ خیبر پختون خوا کے سابق وزیر اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے بعض مدارس نے سرکاری امداد کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''میں ایسی کوئی روایت قائم نہیں کرنا چاہتا جو کل کو میری جگہ کسی اور کے وزیر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے دم توڑ جائے۔''

ہمارے لیے ان تجربات میں درسِ موعظت ونصیحت ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ظاہری سبب اور خواص کی امداد سے اپنی اُمیدیں وابستہ نہ رکھیں۔ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اسی کے اعتماد اور بھروسے پر یہ دینی قلعے بھی قائم رہیں گے، اسی لیے ہمیشہ اسی کی رضا اور خوشنودی کے حصول میں کوشاں رہنا چاہیے، نہ کہ ان مادی اسباب ووسائل پر نظر ہونی چاہیے۔ حاکمانِ عصر سے ہماری درخواست ہے کہ آزاد کو آزاد رہنے دیا جائے اور ان علماء امت اور مساجد کو آزاد رہ کر کام کرنے دیا جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مدارس کی رجسٹریشن کا جو قانون وفاقی حکومت نے پاس کیا ہے، صوبوں میں بھی اس قانون کو پاس کیا جائے اور ان کے بینک اکاؤنٹ کھولنے میں آسانیاں پیدا کی جائیں، تاکہ یہ بھی قومی دھارے میں شامل ہوسکیں۔ نیز مدارس اور جامعات اپنی مدد آپ کے تحت جو قوم کی فلاح وبہبود کے لیے خدمتِ خلق اور قوم کے بچوں کو تعلیمی طور پر دوسری اقوام کے برابر لا رہے ہیں، حکومتی سطح پر ان کا شکر گزار ہونا چاہیے، نہ یہ کہ ان کے کردار اور ان کے اثرات کو مسخ کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے اور قیامِ پاکستان کی حقیقی منزل نفاذِ اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں اور کاوشوں کو کامیاب فرمائے، آمین! إن أريد إلّا الإصلاح ما استطعتُ وماتوفيقي إلّا بالله!

وصلّى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ سيّدنا محمّد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیبِ شیخ محمد نمنکانی رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ محمد نمنکانی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۵/ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ موافق ۱۹۵۴ء

جناب برادرِ معظّم، مولانا سید محمد یوسف بنوری حفظه الله وأدام توفيقهٗ لمرضاتهٖ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اُمید ہے کہ آنجناب مع معزّز اہل خانہ کامل صحت وعافیت اور خوش حالی کے ساتھ ہوں گے۔ آپ نے میرے بارے میں دریافت فرمایا ہے، الحمدللہ سب خیریت ہے۔ حرمِ نبوی شریف میں آپ کے قریب وبعید اہداف ومقاصد کی تکمیل کے لیے دعا گو ہوں، اور جب کبھی مواجہہ شریفہ میں رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی غرض سے حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے تو آں محترم کی جانب سے بھی سلام عرض کرتا ہوں، اور آپ کے لیے نیک دعائیں کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کے لیے آپ کی پاکیزہ زندگی میں برکت عطا فرمائے، آمین!

آنجناب کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ تاج کمپنی کی جانب سے ارسال کردہ مصاحف کے بکس میں محض ’’نصب الراية‘‘ کا ایک نسخہ اور ’’بغية الأريب‘‘ کے چار نسخے پہنچے ہیں، مصحف کا انگریزی ترجمہ نہیں ملا، بکس سے نہیں نکلا، شاید تاج کمپنی کی دوکان میں رہ گیا۔ یہ ضروری اطلاع ہوئی۔

آپ کو اور آنجناب کے متعلقین کو سلام، ہماری جانب بچے آپ کی دست بوسی کرتے ہیں، فضل اللہ مخدوم اور شیخ عبدالغفور صاحب (مدنی) آپ کو بہت سلام کہہ رہے ہیں۔ آپ کا بھائی محمد نمنکانی

پس نوشت: الحمدللہ میری صحت بہتر ہے، اورعصر تا مغرب دکان میں بیٹھتا ہوں، والحمد لله علی ذٰلك!

۳۰؍ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

جناب صاحبِ فضیلت وسیادت، مولانا الحاج سید محمد یوسف صاحب بنوری زید مجدُکم العالي!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اُمید ہے کہ آنجناب اپنے اہلِ خانہ اور بچوں کے ساتھ کامل صحت وعافیت سے ہوں گے، آپ نے ہمارے بارے دریافت فرمایا ہے، اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے، حرمِ نبوی شریف میں تمام مقاصدِ قریبہ وبعیدہ تک آپ کی رسائی کے لیے دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور احسان سے انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

والا نامہ آپ کی صحت وخوش حالی کی بشارت کے ساتھ موصول ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔

کتاب ’’البداية والنهاية‘‘ کی قیمت ۸۰ ریال ہے، پاکستانی سبز روپے کے مطابق ۵۵ ریال کے مساوی اور جدید کے مطابق ۱۰۵ ریال ہے، موسمِ حج کے حساب کے اعتبار سے آپ مذکورہ کتاب کی قیمت کو بدل لیجیے گا۔ ’’شرحي صحيح مسلم الأبّي والسنوسي‘‘ کا ایک قدیم نسخہ ہمیں مصر میں ملا ہے، میں نے وہاں اپنے وکیل کو اس کی جلد بندی اور اپنی دیگر مطلوبہ کتب کے ساتھ ارسال کرنے کا آرڈر کردیا ہے، عنقریب کتاب پہنچ جائے گی، پھر اسے بذریعہ ڈاک ارسال کردوں گا یا موسمِ حج تک اپنے پاس محفوظ رکھ لوں گا۔ ترجمۂ قرآن انگریزی بھی ہمیں قریب میں پہنچ گیا ہے۔ آپ کا سلام شیخ عبدالغفور صاحب (مدنی)، منظور حسین صاحب اور مولوی بدرعالم صاحب (میرٹھی) کو پہنچادیا تھا، وہ سب حضرات آپ کو ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ آنجناب کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ کتاب ’’فتح الملهم بشرح صحيح مسلم‘‘ کے دس نسخے میں نے مرحوم مولانا شبیر احمد (عثمانی) کے ایک خادم وشاگرد سے طلب کیے تھے، جو گزشتہ برس مؤلفِ کتاب شبیر احمد صاحب کے اہلِ خانہ کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے تھے، اور میں نے ان سے کہا تھا کہ مطلوبہ نسخے تاج کمپنی کے منتظمین کو بھیج دیجیے، وہاں سے یہ نسخے مطلوبہ مصاحف کے ساتھ ہمارے پاس آجائیں گے، اور مجھے قیمت بتادیجیے گا، تاکہ تاج کمپنی کے ذریعے تبادلہ کرکے مہیا کرسکیں۔ اُمید ہے آپ اس معاملے میں (ان صاحب کو) تاکید فرمائیں گے۔ یہ توضروری امور ہوئے۔ علم اور اہلِ علم کے لیے بعافیت رہیے، آمین!

دعا گو: آپ کا بھائی محمد نمنکانی اور ان کا بیٹا احمد

ضروری خدمتوں سے ہمیں عزت بخشیے!

۱۸ رمحرم الحرام ۷۷ ۱۳ ھ

جناب صاحبِ فضیلت وسیادت، مولانا سید محمد یوسف بنوری!

اللہ تعالیٰ آپ کی حیاتِ طیبہ سے ہمیں مستفید فرمائے، آمین!

سلام واحترامِ مزید کے بعد اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آنجناب، اہلِ خانہ اور متعلقین کامل صحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے۔ آپ کا دعا گو بھی بخیریت ہے اور حرمِ نبوی شریف میں تمام اہداف ومقاصد تک رسائی کے لیے دعا گو ہے۔

مجھ سے خرید کردہ کتابوں کی قیمت ''إرشاد الساري''، و''الفتح الرّبّاني''، اور ''البداية والنهاية'' کی قیمت ۸۰ ریال اس جواب کی تاریخ تک مجھے نہیں پہنچی، نہ بینک کے ذریعے اور نہ ہی عطیہ بنت سید خلیل کے واسطے سے۔ اُمید ہے کہ آپ اپنے پاس رکھیں گے، اور آنجناب کو حرج محسوس ہو تو بوقتِ ضرورت آنجناب سے تبادلہ کرلیں گے۔ اس وقت حاملِ مکتوب کے ساتھ بمعرفت جناب محمد سعید صاحب آپ کی مطلوبہ کتابیں بھیج رہا ہوں، جو درج ذیل ہیں:

تفسير الفخر الرازي ۱۵۰ ریال	عيني (عمدة القاري) شرح البخاري ۲۵۰ ریال
السيرة الحلبية ۱۸	الحماسة ۱۱ قرش

توقع ہے کہ ازراہِ کرم کتابوں کی وصول یابی کی اطلاع دیں گے۔ ''كتاب الزهد'' کے تقابل میں ہم جزوِ دوم تک پہنچ جائیں گے، بقیہ ان شاء اللہ مکمل کرلیں گے۔ کتابوں کے کارٹن کے اندر ''بلوغ المرام'' طبع نور محمد غیر مجلد بھی بندھی ہوئی موجود ہوگی، جو ہم نے غیر مجلّد ہونے کی بنا پر انہیں لوٹائی ہے، آپ سے کتب خانہ تجارت نور محمد (مقابل آرام باغ کراچی) تک پہنچانے کی اُمید ہے۔

یہ تو ضروری امور ہوئے، اپنے ہاں اعزہ کو سلام پہنچایئے، اور ہمیشہ اللہ سبحانہ کی حفاظت میں رہیے۔

کتاب ''فتح الملهم'' کا ایک نسخہ تین جلدوں میں سید قرشی سے موصول ہوگیا ہے، آپ کا بے حد شکریہ!

دعا گو

آپ کا بھائی محمد نمنکانی، ان کا بیٹا اور فضل اللہ

مدینہ منورہ، باب الرحمۃ

۱۵ رجمادی الاولیٰ ۷۸ ۱۳ ھ

جناب صاحبِ فضیلت، سید محمد یوسف بنوری محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ سبحانہٗ سے اُمید ہے کہ آنجناب مع اہلِ خانہ واولاد کامل صحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے۔ والحمد لله علىٰ ذلك!

میں سوریا اور مصر کے سفر پر تھا، الحمدللہ سلامتی سے لوٹ آیا۔ طویل عرصہ ہوا کہ سفری اُلجھن کی بنا پر آپ سے بذریعہ مکاتبت رابطہ نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں اس پاکیزہ شہر میں قریبی وقت ان شاء اللہ تعالیٰ یکجا فرمائیں گے، إنهٗ سميع قريب مجيب! آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ جن کتب کے بارے میں آپ نے دریافت کیا تھا، ان میں سے درج ذیل موجود ہیں:

أحكام القرآن لابن العربي (نادر) ۵۷ ریال	الفتاوى الهندية (نادر) ۲۵۰ ریال
تفسير طنطاوي جوهري	البحر الرائق (نادر) ۸۰ ریال

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستانی رائج روپے میں سو روپے یہاں ۵۷ ریال کے مساوی ہیں۔
''مجلسِ علمی''، کراچی کی بعض مطلوبہ کتابیں میں نے دمشق اور مصر سے جمع کی ہیں، وہ میری کتابوں کے ساتھ جلد ہی مدینہ پہنچیں گی۔ آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ میں نے تعلیق وتصحیح اور دو نسخوں (نسخہ ازہریہ اور نسخہ دار الکتب المصریۃ) سے مراجعت کے ساتھ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تدريب الراوي'' کی طباعت کا کام شروع کردیا ہے، اور اس کے بعد ہم حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کی ''تهذيب التهذيب'' کی طباعت شروع کریں گے، آنجناب سے اُمید ہے کہ توفیق وکامیابی کے لیے دعا فرمائیں گے۔

آپ کا سلام شیخ محمد بدرِعالم صاحب (میرٹھی)، شیخ عبدالغفور صاحب (مدنی) کو، قاری عباس کو آپ کے جواب سمیت، اور فضل اللہ مخدوم کو پہنچا دیا ہے، منظور حسین صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ یہ ضروری باتیں ہوئیں، آپ کے قریب موجود اعزہ کو میرا سلام، والسلام خير ختام! آپ کا مُحبِ مخلص

محمد نمنکانی اور ان کا بیٹا احمد

نوٹ: پیشگی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کتب ڈاک یا کسی آنے والے کے ذریعے ارسال فرمانے کی درخواست ہے۔ مطبوعات ''لجنة إحياء الأدب السندي'' کراچی پاکستان:

۱ عدد ''ذبّ ذبابات الدراسات'' للعلامة عبد اللطيف بن محمد هاشم السندي
۱ عدد ''مكاتيب النبي صلى الله عليه وسلم'' لأبي جعفر الديبلي المحدّث
۱ عدد ''أطراف البخاري'' للشيخ محمد هاشم السندي
۱ عدد ''مقدمة كتاب التعليم'' للإمام مسعود بن شيبة السندي

ترجمان القرآن

مولانا ڈاکٹر فہد انوار
اسلام آباد

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

’’نعم ترجمانُ القرآن عبدُ الله بن عباسؓ. ‘‘

’’عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے بہت اچھے ترجمان ہیں۔‘‘ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فضائل و کمالات کے جامع اور اُمت کی برگزیدہ ترین جماعت کے چنیدہ لوگوں میں سے تھے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا مظہرِ جلیل، نقشِ جمیل اور قبولیتِ دعا کی مجسم صورت تھے۔ جن حضرات کی زندگی میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکات روزِ روشن کی طرح ظاہر تھیں، ان میں آپؓ سرِفہرست نظر آتے ہیں۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ آپ کی والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ آپ کے والدِ گرامی قدر حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا تھے۔ درج ذیل واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

’’عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، اَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَاَنَا عِنْدَهٗ، فَقَالَ: مَا اَغْضَبَكَ؟ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ، إِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُبْشَرَةٍ، وَإِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ، قَالَ: فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَايَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ، ثُمَّ قَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ آذٰى عَمِّيْ، فَقَدْ اٰذَانِيْ، فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ. ‘‘

(جامع الترمذي، باب مناقب أبي الفضل عم النبي صلی اللہ علیہ وسلم، رقم :۳۷۵۸)

’’ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کی بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نورِ ایمان نہ ہوگا۔ پھر فرمایا: جس نے میرے چچا کو ایذا پہنچائی اس نے گویا مجھے ایذا پہنچائی، کیونکہ چچا باپ کا قائم مقام ہے۔‘‘

’’عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ’’ العباسؓ عم رسول الله، وإن عم الرجل صنو أبيه أو من صنو أبيه. ‘‘ هٰذا حسن صحيح غريب، لا نعرفهٗ من حديث أبي الزناد إلا من هٰذا الوجه. ‘‘

(جامع الترمذي، باب مناقب أبي الفضل عم النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ٣٧٦١)

’’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’عباس اللہ کے رسول کے چچا ہیں اور آدمی کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔‘‘

’’عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’الْعَبَّاسُ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ‘‘ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ. ‘‘

(مستدرك للحاكم، ذكر إسلام العباس رضي الله عنه، رقم: ٥٤١١، دار الكتب العلمية، بيروت)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباسؓ سے ہوں۔‘‘

’’عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ اَيَّامًا، ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَسْاَلُهُ اللّٰهَ، فَقَالَ لِيْ: يَا عَبَّاسُ! يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. ‘‘ (ترمذي، أبواب الدعوات، رقم: ٣٥١٤)

’’حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتائیے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے عافیت مانگو۔ میں کچھ دن ٹھہرا رہا اور پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتائیے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگا کرو۔‘‘

عافیت ایک ایسی جامع چیز ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں شامل ہیں۔ شارحِ مشکوٰۃ علامہ نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''عافیت کے معنی دین میں فتنہ سے سلامتی اور بدن میں بری بیماریوں اور سخت رنج سے نجات ہے۔'' (مظاہرِ حق جدید، ص:۷۰۷، ج:۲)

والدِ گرامی کے علاوہ والدہ کی طرف سے بھی آپؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت تھی۔ آپؓ کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا اُم المومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ اسی طرح سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی آپ کی خالہ تھیں۔ اس قرابت کا اثر تھا کہ آپ کو اپنی خالہ کے ہاں رات بسر کرنے اور اپنے خالو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کر کے دعائیں لینے کا موقع ملا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو ''ابنِ عباس'' کی کنیت سے مشہور ہیں، ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ کی گھاٹی شعبِ ابی طالب میں آپ کی ولادت ہوئی، جب کہ بنو ہاشم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری ہونے کی وجہ سے مکہ والوں کی طرف سے مقاطعہ (سماجی بائیکاٹ) کا سامنا تھا۔ اسی زمانے میں ولادت سے قبل ہی آپ کے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ کے حمل کی خبر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُمید ہے اللہ تعالیٰ ان سے ایک لڑکے کے ذریعے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔ جب ولادت ہوئی تو بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعابِ اطہر سے تحنیک فرمائی اور برکت کی دعا دی۔'' (معرفة الصحابةؓ: ۱۷۰۱/ ۳، رقم: ٤٢٥٧، دار الوطن، ریاض)

آپ کے قبولِ اسلام کے سن کے حوالے سے حتمی بات مشکل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بقیہ گھرانہ بھی آپ کے ساتھ داخلِ اسلام ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دخولِ اسلام کے سال میں روایات مختلف ہیں۔ شمس الدین حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ آپ اپنے والدین کے ساتھ فتحِ مکہ کے بعد مدینہ شریف منتقل ہوئے، اگرچہ اس سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ مدینہ شریف آنے کے بعد تیس ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی۔'' (سير أعلام النبلاء: ٣٣٢/ ٣، ٣٣٣، دار الحديث، قاهرة)

عہدِ نبویؐ و عہدِ صدیقیؓ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دو سال پر محیط زمانۂ خلافت پایا۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقریباً ساڑھے دس سال پر محیط زمانۂ خلافت پایا۔ اللہ تعالیٰ نے کمالِ علمی اور حسنِ سیرت کے ساتھ حسنِ صورت سے بھی نوازا تھا۔ ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ہمارے پاس بصرہ اس حال میں آئے کہ عرب میں علم، جسم، لباس، جمال

وکمال میں ان کی مثل کوئی نہیں تھا۔ (الإصابة: ۱۲۲/ ٤)

عہدِ فاروقی میں

عہدِ فاروقی میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حیثیت کم عمر ہونے کے باوجود امیر المؤمنین کے مشیرِ خاص کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر خاص شفقت اور نظرِ لطف وکرم رہتی تھی۔ اس نوجوان کے اندر موجود گوہرِ قابل کو فراستِ فاروقی نے بھانپ لیا تھا اور اپنی خصوصی تربیت سے مزید نکھارا تھا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے:

سورۃ النصر کی تشریح

صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اور ہمارے لڑکوں کو جو اُن کے ہمسر ہیں، کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے سب کی موجودگی میں بلایا، پھر فرمایا: تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ'' (النصر:۱) کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ ان میں سے کچھ نے جواب دیا کہ ہمیں فتح ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ حضرات خاموش رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ اے ابنِ عباس! تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ: ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ'' اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دینا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی علامت ہے: ''فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا'' (النصر:۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی بات جانتا ہوں۔
(صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، رقم: ٤٩٧٠)

سورۃ البقرۃ کی ایک آیت کی تشریح

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حلقۂ مجلس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

''اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ'' (البقرة: ٢٦٦)

ترجمہ: ''بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا۔''

تو لوگوں نے کہا: واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب پر غصہ آ گیا، بولے: اگر معلوم نہیں تو صاف کہہ دو کہ ہمیں علم نہیں۔ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے: میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تم اپنے آپ کو چھوٹا نہ سمجھو، جو دل میں ہو بیان کرو۔ فرمایا کہ: اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ اس مال دار شخص کے عمل کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف شیطان بھیجا، پس وہ گناہوں میں لگ گیا جس کی وجہ سے اس کے اچھے اعمال کا ثواب غرق ہو گیا۔ (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ، حديث: ٤٥٣٨)

محدث ابن عبدالبرؒ ''الاستیعاب'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''كان عمرؓ يحب ابن عباسؓ و يقرّ بهٗ'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرُّب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب دینا چاہتے؛ لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے: علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے۔

حضرت یعقوب بن زیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرتے اور فرماتے: اے (معاملہ کی تہہ میں) غوطہ لگانے والے غوطہ لگاؤ اور اس اہم مسئلہ میں اپنی رائے دو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ حاضر دماغ، زیادہ عقلمند، زیادہ علم والا اور زیادہ بردبار نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پیچیدہ مسائل پیش آنے پر بلاتے اور ان کے مشورے ہی پر عمل کرتے، حالانکہ ان کے آس پاس بدری حضرات، مہاجرین وانصار کا مجمع ہوتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ، مترجم، ص: ۶۱، ج: ۲، بحوالہ ابن سعد)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد مسلمانوں کے خلیفہ کی بڑی فکر رہتی تھی اور اس حوالے سے بھی آپ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب کیا تھا اور اس فکر کا اظہار اُن کے سامنے بھی کیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں گہرا سانس لیا اور اسی معاملے میں گفتگو فرمائی۔ اس کے آخر میں فرمایا کہ اس امرِ خلافت کی صلاحیت صرف وہ شخص رکھتا ہے جو مضبوط ہو لیکن درشت نہ ہو، نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو، سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو، احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ: یہ تمام صفات تو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی میں پائی جاتی تھیں۔ (ایضاً، ص: ۶۴، بحوالہ غریب

الحديث لأبي عبيد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو نائبِ رسول کی جگہ دیکھتے تھے اور ایک مخلص رفیق کی حیثیت سے مناسب مشورے دیتے تھے، جیسا کہ ان کے طرزِ عمل اور مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جس طرح سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر فرما رہے ہیں، اس سے بھی آپ کے دل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ عیاں ہے:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : شَهِدَ عِنْدِيْ رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ، وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِيْ عُمَرُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ.'' (صحيح البخاري، كتاب المواقيت)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: میرے سامنے چند پسندیدہ حضرات نے گواہی دی، جن میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔''

عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی سلطنت کے کاموں میں آپ کی حیثیت مشیر اور مفتی کی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ سے مختلف فقہی امور میں بھی مشاورت فرماتے تھے۔ جس سال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا، اس سال آپ نے اپنی جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اس کا قصہ بھی عجیب ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے باغی گروہ کے محاصرے کے دوران اپنی چھت پر سے آواز دے کر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا اور فرمایا کہ آپ میری جگہ اس سال لوگوں کو حج کروائیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ میرے نزدیک اس باغی گروہ سے مقابلہ حج سے زیادہ اہم ہے، لیکن امیر المومنین نے آپ کو حکماً امیرِ حج بنا کر روانہ کیا۔ آپ کو حج سے واپسی سے قبل ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر سب لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اتفاق کر لیتے تو ان پر پتھروں کی بارش ہوتی (لیکن چونکہ ایک مختصر سی باغی اوباشوں کی جماعت نے یہ کیا، باقیوں نے اتفاق نہیں کیا، بلکہ مخالفت کی، اس لیے سب محفوظ رہے۔)

دورِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں

دورِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حکومت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کو بصرہ کی امارت سونپی۔ آپ نے جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی، بلکہ ایک دستے کی کمان آپ کے پاس تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی تک بصرہ میں امارت کی، آپ کی شہادت کے بعد بصرہ پر عبداللہ بن حارث کو امیر مقرر کر کے خود حجاز واپس تشریف لے آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتبہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تعلقات محبت و اخوتِ دینی پر مبنی رہے۔ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔ اور کئی شرعی مسائل میں ان پر اعتماد کیا ہے۔ (رحماء بینہم، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ص: ۸۲۳، دار الکتاب) مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھنے کا ذکر کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ان کی بات رہنے دیجیے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں۔ (صحيح بخاري، باب ذكر معاوية رضي الله عنه، حديث: ٣٧٦٤)

اسی باب کی دوسری روایت میں ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یوں فرمایا کہ: انہوں نے درست عمل کیا ہے، وہ فقیہ ہیں، یعنی دین کی عمدہ سمجھ رکھنے والے ہیں۔ (ایضاً، حدیث: ۳۷۶۵)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگردوں کو یہ بات سنائی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قینچی کے ساتھ اپنے موئے مبارک (بال) تراشتے۔ (رحماء بینہم، ص: ۸۲۴، بحوالہ مسند احمد: ۴/ ۹۵، مسندات معاویہ بن ابی سفیانؓ)

اس طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیتوں کے معترف تھے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میں نے حکمرانی کے لائق معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضا، ص: ۸۲۴، بحوالہ: التاريخ الكبير للبخاري ذكر معاوية بن أبي سفيانؓ)

ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے چند مسائل کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: اے ابنِ عباسؓ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اپنے اہلِ بیتؓ کی زبان ہیں، پھر اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کہا: میں نے جب بھی ان سے بات کی تو انہیں مستعد پایا۔ (معرفة الصحابةؓ: ۳/ ۱۷۰۲، رقم: ٤٢٥٩)

زندگی کے آخری ایام

زندگی کے آخری سالوں میں طائف کو زینت بخشی۔ آخر عمر میں ظاہری بینائی چلی گئی تھی، اس کی وجہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا تو انہیں پہچانا نہیں، چنانچہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا: کیا تو نے اسے دیکھ لیا؟ آپؓ نے جواب دیا: جی ہاں! ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبریل تھے، خیال کرنا تیری بینائی عنقریب چلی جائے گی۔ اس کے بعد آخر عمر میں آپؓ نابینا ہوگئے، اسی حوالے سے ان کے اشعار ہیں:

إن يأخذ الله من عيني نورهما
ففي لساني وقلبي منهما نور
قلبي ذكيّ وعقلي غير ذي دخلٍ
وفي فمي صارم كالسيف مأثور

''اگر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کی بینائی لے لی تو میری زبان اور دل میں ان کی وجہ سے نور ہے، میرا دل ہوشیار اور عقل میں فتور نہیں اور میرے منہ میں عمدہ تلوار کی تیزی رکھنے والی موتی بکھیرنے والی زبان ہے۔ (الاستیعاب: ۳/ ۹۳۸)

نماز کی خاطر بینائی کی قربانی

مسیب بن رافع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ جب ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی بینائی جاتی رہ گئی تو ان کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ اگر آپ سات روز صبر فرمالیں اور نماز اشاروں سے پڑھیں تو میں آپ کا علاج کروں گا، ان شاءاللہ! آپ تندرست ہو جائیں گے۔ آپ نے حضرت عائشہ وابوہریرہ رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھجوایا، سب نے کہا کہ اگر ان سات دنوں میں آپ کی وفات ہوجائے تو پھر آپ نماز کا کیا کریں گے؟ چنانچہ آپ نے آنکھ کو اسی طرح رہنے دیا اور علاج نہ کروایا۔ (مستدرك، ذكر عبدالله بن عباسؓ: ٦٣١٩)

زیادہ صحیح قول کے مطابق ۶۸ سن ہجری میں طائف میں انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ آپ کے عم زاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور فرمایا: ''مات والله اليوم حبرُ هٰذه الأمة'': آج کے دن اس اُمت کا بڑا عالم فوت ہوگیا۔ عمرو بن دینارؒ نے آپؓ کی وفات پر فرمایا: ''مات ربّانيّ هٰذه الأمة'': اس امت کا اللہ والا فوت ہوگیا۔ (الإصابة، ٤/ ١٣٠)

تدفین سے پہلے کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنے نیک بندوں کی دنیا سے رخصتی کے وقت ایسے واقعات ظاہر فرماتے ہیں

جس سے پیچھے رہ جانے والوں کے یقین وعمل میں ترقی ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد اور دفن سے پہلے ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمدہ تصنیف ''الإصابة في تمييز الصحابةؓ'' میں حضرت مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہ سے کچھ فرق کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک ایسا سفید رنگ کا پرندہ دیکھا گیا جو اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا۔ وہ پرندہ آیا اور حضرت ابنِ عباسؓ کے کفن کے اندر چلا گیا، اس کے بعد باہر نہیں آیا۔ جب آپؓ کو قبر میں رکھ دیا گیا تو ایک پڑھنے والے کی آواز سنی گئی جو کہہ رہا تھا:

''يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ''

''اے مطمئن ہوجانے والے جی! اپنے رب کی طرف لوٹ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے، پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

(الإصابة: ١٣٠/ ٤، وتفسير البغوي: ٤٢٥/ ٨، طيبة)

وفات کے وقت آپؓ کی عمر ۷۱ برس تھی۔ (الإصابة: ۴/ ۱۳۱)

حلیہ مبارک

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت میں بھی ممتاز کیا تھا، آپ سفید رنگت اور طویل القامت تھے، سر کے بال وفرہ تھے جن پر مہندی لگاتے تھے۔ کامل العقل اور پورے اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ عطاؒ کہتے ہیں: میں جب چودھویں رات کا چاند دیکھتا ہوں تو مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ یاد آجاتا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جب ابنِ عباس رضی اللہ عنہما راستے پر سے گزرتے تو عورتیں دیواروں پر سے کہتیں کہ مشک گزری ہے یا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما گزرے ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: ٣٣٦/ ٣، ٣٣٧، ط: رسالة)

اولاد

آپؓ کثیر الاولاد تھے۔ سب سے بڑے بیٹے عباس اور سب سے چھوٹے علی تھے۔ علی بن عباس کی اولاد میں عباسی خلفاء پیدا ہوئے۔ فضل، محمد اور عبیداللہ سے آگے نسل نہ چلی۔ بیٹیاں لبابہ اور اسماء میں سے بھی اولاد ہوئی۔ (ایضاً: ۳/ ۳۳۳)

بڑوں سے بے نیازی ... بربادی کا راستہ

مولانا محمد راشد شفیع
فاضل جامعہ

ہر دور میں اُمتِ مسلمہ کو پیش آنے والے فتنوں میں سب سے خطرناک فتنہ یہ رہا ہے کہ لوگ اپنی رہنمائی کے اصل سرچشموں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جب اُمت اپنے اکابر، علماء ربانیین، اور وارثینِ انبیاء سے بے نیاز ہوجاتی ہے تو وہ فکری گمراہی، عملی انتشار اور اخلاقی زوال کا شکار ہوجاتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے مخلص، سچے اور دردمند بزرگوں کی پہچان کھودی، وہ قوم گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتی رہی۔ اکابر کا مقام محض علمی وفکری برتری کا نام نہیں، بلکہ وہ ایمان، تقویٰ، علم، اخلاص اور اُمت کے درد کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے ’’فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ‘‘ کے ذریعے ان کی طرف رجوع کا حکم دیا، آج کا اَلمیہ یہ ہے کہ نئی نسل نہ صرف ان اکابر کی سوانح اور خدمات سے غافل ہے، بلکہ بعض اوقات زبان و قلم سے ان کی توہین و تنقیص بھی ہو رہی ہے۔ اصلاحِ امت کے ہر شعبے میں، ہر تحریک میں، اور ہر خیر کے مرکز میں اکابر کی موجودگی اور راہنمائی ایک مستقل سنتِ الٰہی ہے۔ بدقسمتی سے آج بعض طبقے نہ صرف ان اکابر سے بے نیاز ہو گئے ہیں، بلکہ خود ساختہ فکری لیڈر اور دینی رہنما بن بیٹھے ہیں، جن کا نہ علم معتبر ہے نہ نسبت۔ اکابر سے بے نیازی انسان کو بربادی کے اندھیرے کنویں کی طرف دھکیلتی ہے، کیونکہ یہ رویہ ان عظیم ہستیوں کی عزت و منزلت کو فراموش کرنے کا باعث بنتا ہے، جو اپنی حکمت، کردار، اور کارناموں سے معاشرے کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔

مولانا محمد سلمان بجنوری مدظلہ استاذ دارالعلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

’’دراصل یہ حق وباطل کی ایک رزمِ مسلسل ہے جس کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب اللہ کی طرف سے حق اپنی آخری اور کامل ومکمل شکل میں اسلام کے نام سے آیا، اس وقت اسلام کی مخالفت کا ایک سلسلہ تو کفار ومشرکین کی جانب سے براہِ راست شروع ہوا؛ لیکن ایک دوسرا سلسلہ یہود

ونصاریٰ کی جانب سے شروع ہوا جو اس قدر کھلا اور سیدھا مقابلہ نہیں تھا؛ بلکہ آج کل کی زبان میں بڑی حد تک پراکسی وار (غیر راست جنگ) کی حیثیت رکھتا تھا؛ لیکن دنیا کے مزاج کے مطابق یہی زیادہ خطرناک اور دوررس تھا۔ یہود ونصاریٰ نے ابتدائی دور میں عمومی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف راست جنگ سے گریز کیا؛ مگر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انھوں نے اسی دور سے اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانے، قرآن کے بارے میں شک پیدا کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش ایک مہم کے طور پر جاری رکھی، اس مہم نے تاریخ کے ایک موڑ پر تحریکِ استشراق کی شکل اختیار کی اور اب جہاں کہیں بھی اس ذہنیت کے افراد یا تحریکات سامنے آتی ہیں، وہ اسی تحریکِ استشراق کے برگ وبار اور اسی کلی کی جزئیات ہیں۔ اب ظاہر ہے، ایک مسلسل تحریک کا مقابلہ وقتی اقدامات سے تو نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس میدان میں منصوبہ بندی کے ساتھ جہدِ مسلسل کا آغاز کیا جائے۔'' (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جون ۲۰۲۲ء)

موجودہ پرفتن دور جو بہت ساری دین بیزاری اور منفی چیزوں سے بھرا پڑا ہے، ان میں سب سے خطرناک چیز اکابر پر عدمِ اعتماد ہے، جس کی وجہ سے انسان جہاں گمراہیوں کی تاریک راہوں پر چل پڑا ہے، بلکہ اسی عدم اعتماد کی نحوست ہے کہ قرآن وسنت کی من مانی تشریحات کرنے لگا ہے۔ اکابرِ اُمت ہمیشہ دین کی حفاظت، اُمت کی رہنمائی اور فتنوں کے رد میں مضبوط قلعہ رہے ہیں، ان پر اعتماد اُمت کے دینی استحکام کی علامت اور ان سے وابستگی گمراہیوں سے بچاؤ کی ضمانت تھی، جب سے اس رشتۂ اعتماد کو کمزور کیا گیا، اُمت فکری انتشار اور عملی زوال کا شکار ہونے لگی۔ آج ہر شخص دین کو اپنی عقل، مزاج اور خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کررہا ہے، کیونکہ اس کے سامنے کوئی معتبر سند باقی نہیں رہی۔ اکابر سے بے رغبتی کا انجام یہی ہے کہ دین کے بنیادی مسائل بھی اب بحث وتردد کی نذر ہو چکے ہیں، جس راستے پر ہمارے اسلاف چلے، آج اس کو چھوڑ کر ہم خودساختہ راستوں پر چل نکلے ہیں۔ علماء حق اور اہلِ دل کی صحبت چھوڑ کر یوٹیوبی تقاریر اور سوشل میڈیا کے پرکشش مگر کھوکھلے نعرے دین کا معیار بن گئے ہیں۔ دینی افکار اور عقائد کو جب اکابر کی علمی رہنمائی سے ہٹ کر بیان کیا جائے تو اس کا نتیجہ صرف گمراہی اور تفرقہ ہوتا ہے۔ اکابر سے بے نیازی دراصل دین سے بے نیازی ہے، کیونکہ یہی حضرات دین کے اصل نمائندے اور محافظ ہیں، اُمت کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ پھر سے ان چراغوں کی طرف رجوع کرے، جنہوں نے ہر دور میں ظلمت کو اُجالا بنایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا: وہ جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہوگا۔‘‘ (ترمذی)

یہ حدیث ہمیں اس بات کی یاددہانی کراتی ہے کہ اگر ہم سلف کے راستے سے ہٹ گئے اور سلف پر بداعتمادی دکھائی تو ہم دیگر غیر مسلم فرقوں کی طرح گمراہ ہوجائیں گے۔ دوسری حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے یا ان کو چھوڑنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔‘‘ (بخاری و مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں اہلِ حق (اکابر) موجود رہیں گے، جن کی پیروی و اعتماد واجب ہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں جب کہ طبائع آزاد ہیں، اس میں ایمان و اعمال کی حفاظت کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی تعلیمات، سیرت و سوانح اور ان کی خدمات کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ تابعینؒ نے صحابہؓ سے تلمذ کا شرف حاصل کیا تو وہ اپنے اسلاف پر اعتماد کرکے نہ صرف کامیاب ہوئے، بلکہ ان کے بعد تبع تابعین کے لیے اسلاف بن گئے۔ یوں تبع تابعین نے حضرات تابعین پر کامل اعتماد کیا اور مابعد والوں کے لیے مینارۂ نور بن گئے۔ یوں نسلاً بعد نسلٍ ہر آنے والوں نے اپنے سے پہلے والے اسلاف پر اعتماد کرکے دینی و دنیاوی ترقی کی منازل طے کیں۔ دورِ حاضر میں جتنے بھی علمی، فکری الحاد و گمراہیوں کی بہتات ہے، اُن کی بنیاد اسلاف بیزاری ہی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک قیمتی نصیحت یادرکھنے کے قابل ہے کہ:

’’یہی خودرائی اکثر اہلِ علم کے ضلال و انحراف کا سبب بنتی ہے، خوارج و روافض سے لے کر دورِ حاضر کے کج رو لوگوں کو اسی خودرائی نے ورطۂ حیرت میں ڈالا ہے، اس لیے جو شخص صراطِ مستقیم پر چلنے اور راہِ ہدایت پر مرنے کا متمنی ہو، اس کو لازم ہے کہ اپنی رائے پر اعتماد کرنے کے بجائے اکابر کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرے کہ یہ حضرات علم و معرفت، فہم و بصیرت، صلاح و تقویٰ اور اتباعِ شریعت میں ہم سے بدرجہا فائق تھے، واللہ اعلم۔‘‘ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۹)

اللہ تعالیٰ ہمیں اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سردیوں میں عبادت کے فضائل و برکات

مولانا محمد عرفان اللہ اختر

اللہ رب العزت نے ہر موسم میں فوائد و منافع ضرور رکھے ہیں، جن کو ہر عقل مند اور ذی شعور انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کے لیے سردی بہار کا موسم ہے۔'' (المسند للإمام أحمد، مسند أبي سعيد الخدريؓ)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مسلمان کے لیے سردی بہار کا موسم ہے کہ اس میں مومن اطاعت کے باغات میں چرتا ہے اور عبادات کے میدانوں کی سیر کرتا ہے اور سردی میں بآسانی کیے جانے والے اعمالِ صالحہ کے باغات میں اس کا دل خوش ہو رہا ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کے موسم میں سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے اور جانور چراگاہوں میں چرتے ہیں اور فربہ ہو جاتے ہیں اور یوں چوپایوں کے جسم کی اصلاح ہوتی ہے، پس اسی طرح سردی کے موسم میں عبادات کو اللہ تعالیٰ مسلمان کے لیے آسان کر دیتا ہے، اس سے اس کے دین کی اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں کی رہنمائی ٹھنڈی غنیمت کی طرف نہ کروں؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! تو آپؓ نے فرمایا سردیوں میں روزے رکھنا۔'' (لطائف المعارف،ص:۳۲۶)

حضرت عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''سردی کے موسم میں روزہ رکھنا ٹھنڈی غنیمت ہے۔'' (ترمذی شریف)

جب سردی آتی تو حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

''اے اہلِ قرآن! تمہاری نمازوں کے لیے رات لمبی ہوگئی اور تمہارے روزوں کے لیے دن چھوٹے ہوگئے، پس تم موسمِ سرما کو غنیمت جانو!'' (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث:۹۷۴۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سردی کا موسم مومن کے لیے موسمِ بہار ہے، اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں، جن میں وہ روزے رکھ لیتا ہے اور اس کی راتیں لمبی ہوتی ہیں، جن میں وہ قیام کر لیتا ہے۔''

(السنن الكبرىٰ للبيهقي)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سردیوں کے روزے رکھنا مفت میں اجر کمانا ہے۔'' (طبرانی)

ہمارے بزرگانِ دین موسمِ سرما کی آمد پر خوش ہوتے اور اِسے عبادت میں اِضافے کا موسم قرار دیتے، جیسا کہ حضرتِ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موسمِ سرما کی آمد پر فرماتے:

''سردی کو خوش آمدید، اِس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ شب بیداری کرنے والے کے لیے اِس کی راتیں لمبی اور روزے دار کے لیے دن چھوٹا ہوتا ہے۔'' (فردوس الأخبار)

حضرت ابوعبداللہ محمد بن مفلح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''سردی کے موسم میں رات کے اوّل حصّے اور گرمیوں میں دن کے ابتدائی حصّے میں ختمِ قرآن مسنون ہے۔'' (آداب الشريعة لابن مفلح، ص:٦٨٨)

سردیوں میں دن چھوٹے اور موسم ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے بھوک اور پیاس کا اِحساس کم ہوتا ہے، لہٰذا اِس موسم میں روزے کا ثواب کمانا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے سردیوں کی راتوں میں عبادت کو محبوب جانتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سردی کا موسم عبادت گزاروں کے لیے غنیمت ہے۔'' (موسوعة لابن أبي الدنيا، ج:١)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص سخت سردی میں پانی کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے اس کو ثواب کا دہرا حصّہ ملتا ہے: (ایک حصہ وضو کرنے کا، دوسرا سردی برداشت کرنے کا)۔'' (طبرانی)

سردی میں چونکہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا مشکل ہے، اس لیے سردیوں میں شوق سے وضو کریں اور دہرا اجر پائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم زمین والوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔'' (ابوداؤد شریف)

سردی کے موسم میں رات کے وقت ہر کوئی چاہتا ہے کہ گرم لحاف میں لپٹا ہوا ہو، بہترین گرم سوئیٹر اس کے پاس ہو، لیکن اس دنیا میں ایسے کتنے لوگ ہیں کہ جن کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں، آرام کرنے کے لیے نرم و گرم بستر نہیں، سردی کی سخت راتوں میں ضرورت مند و مجبور سڑکوں کے کنارے،

فٹ پاتھ پر اور بس اڈوں پر پڑے ہوتے ہیں، جن کے پاس نہ گرم کپڑے ہیں اور نہ ہی گرم بستر۔ ایسے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سردی کی سخت راتوں میں ان ضرورت مندوں کا خصوصاً اہلِ غزہ/فلسطین اور پاکستان میں سیلاب متأثرین کا بھی خیال رکھیں، ان کی سردی کو بھی دور کرنے کی کچھ کوشش کریں، اگر کچھ نیا نہیں دے سکتے تو کم از کم پرانا استعمال شدہ ہی صحیح ان کو پہنا دیں، تاکہ وہ بھی سردی کی سختیوں سے بچ سکیں۔ سردی کا موسم انسانی ہمدردی کے جذبہ کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔

سردیوں میں عبادات کے فضائل وبرکات یہ ہیں کہ! چھوٹے چھوٹے دن اور لمبی لمبی راتیں ہوتی ہیں، دن کو روزہ رکھیں، نہ بھوک اور نہ ہی پیاس ستاتی ہے۔ ان دنوں میں رمضان کے قضا روزے بھی آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں۔

راتوں کو تلاوت، ذکر، درود شریف، نوافل، قضا نمازیں اور معتبر دینی کتب کا مطالعہ وغیرہ جیسی عبادات میں خرچ کریں۔

اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

محدّثینِ عظام ... عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)!

مفتی زبیر شاہ بنوی
جامعہ بیت العلم، بنوں

اُمتِ مسلمہ کے دین وملّت کا سرمایہ اوران کی شریعت کی متاعِ کل سرورِ کائنات سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہے۔ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی ہر گھڑی اور ہر آن، ان کے اقوال واحوال اور آپ کے سفر وحضر میں شب وروز کے معاملات تا قیامت آنے والی اُمت کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے لیے مشعلِ راہ اور سرچشمۂ ہدایت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابِ زندگی کا ایک ایک ورق اور ہر پہلو محفوظ کیا، آپ کے خلوت وجلوت، سفر وحضر، عام سیاسی حالات سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کا ہر واقعہ انہوں نے محفوظ کیا اور آپ کی احادیثِ مبارکہ کو سینوں سے لے کر صحیفوں تک محفوظ کیا، ان کے بعد تابعینؒ اوران کے اتباع نے اس سلسلے کو جاری رکھا، اور شب وروز ایک کر کے احادیثِ نبویہؐ کی حفاظت وکتابت پر اپنی جانیں ایسے نچھاور کیں جس کی مثال رہتی دنیا تک نہیں ملتی، اور ''فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا'' پر عمل کر کے بڑی محنت ومشقت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اَزبر کر کے عالمِ اسباب میں اُمتِ مرحومہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے، نیز احادیثِ مبارکہ کو جمع کر کے ان کی چھان بین کر کے مدوّن کیا، جن کو قرآن مجید کے بعد دینِ حنیف کی بنیادی اَساس تسلیم کیا جاتا ہے، جس کے بغیر قرآن مجید کا فہم نامکمل اور اس کی مراد تک رسائی ناممکن ہے، اور ساتھ ساتھ علمِ فقہ کا بنیادی عنصر اور اَساس ہے، اسی طرح ان حضرات نے ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی ہر ہر پہلو کی پہرہ داری کی، اور آپ کی احادیثِ مبارکہ کو جمع اور یکجا کرنے میں احتیاط کے اندر کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان محدثینؒ نے نہ صرف احادیث کو جمع کیا، بلکہ ان پر مکمل تحقیق کی، تاکہ اُمت کے لیے صحیح احادیث کو قابلِ عمل بنایا جا سکے، حتیٰ کہ اس کو قبول کرنے کے لیے ''احکامِ جرح وتعدیل'' جیسے قوانین اور فنون ایجاد کیے، جن کے اندر ان محدثینؒ نے حدیث کے راویوں کی زندگیاں پرکھیں، ان کے کردار، دیانت اور امانت کا جائزہ لیا، تاکہ صرف وہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

منسوب ہوں جو واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہوں، اور اس سلسلے میں کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے سے ان کا مقصد معاذ اللہ ہرگز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات بابرکات کو ضعیف و کمزور قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی علمی دیانت کا ثبوت ہے کہ ان الفاظ وکلمات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کمزور واسطے سے ہوئی اس کی نشان دہی کر دی۔

چنانچہ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''شرف أصحاب الحديث'' میں ابو حاتم الرزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سمعت أبا حاتم الرازيّ يقول: لم يكن في أمة من الأمم منذ خلق الله آدمؑ أمناء يحفظون آثار رسول اللهؐ إلا في هٰذه الأمة، فقال لهٗ رجل: يا أبا حاتم! و بما رووا حديثاً لا أصل لهٗ ولا يصحّ، فقال: علماءهم يعرفون الصحيح من السقيم، فروايتهم ذٰلك للمعرفة ليتبيّن لمن بعدهم أنهم ميّزوا الآثار و حفظوها، ثم قال: رحم الله أبا زرعة، كان والله مجتهدا في حفظ آثار رسول اللهؐ. '' (مترجم بنام فضائل محدثین، ص: ۱۲۴)

''امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگلی اُمتیں اپنے پیغمبر کی احادیث کو حفظ نہیں کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے یہ وصف اسی اُمت کو عطا فرمایا ہے۔ ایک شخص نے یہ سن کر اعتراض کیا کہ یہ اس اُمت کے لوگ تو بے اصل اور غیر صحیح احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: گو وہ بیان کرتے ہیں، مگر محدثین صحیح اور غیر صحیح کی پوری معرفت رکھتے ہیں، لہٰذا محدثین ایسی غیر صحیح روایات کو صرف اس لیے روایت کرتے ہیں کہ بعد والے لوگ دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور انہیں صاف پتہ چل جائے کہ ان محدثین نے خوب چھان بین کر لی ہے اور احادیث حفظ کر لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام ابو زرعہؒ پر رحم فرمائیں کہ انہوں نے احادیث کے حفظ کرنے میں بہت مشقت اُٹھائی، اس بارے میں ان کی محنت بہت بڑھی ہوئی تھی۔''

جبکہ ان حضرات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہر قسم کی غلط نسبت اور جھوٹ سے پاک رکھنے کے لیے سخت سے سخت معیار اپناتے تھے اور یہ عمل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہے نہ کہ گستاخی، دوسری طرف ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیاں بھی زہد و تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر مبنی، اخلاص وللّٰہیت، خوفِ خداوندی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ساری اُمت کے لیے ایک جامع و کامل نمونہ ہے۔

چنانچہ امام خطیب البغدادی رحمۃ اللہ علیہ محدثین عظامؒ کے متعلق عبداللہ بن داؤد الخریبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’عبد الله بن داؤد الخريبي يقول: سمعت أئمتنا و مَن فوقنا أن أصحاب الحديث و حملة العلم، هم أمناء الله تعالىٰ علىٰ دينهٖ و حفاظ سنة نبيّهٖ ماعملوا و علموا. ‘‘

’’حضرت عبداللہ بن داؤد الخریبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: محدثین عظام اللہ تعالیٰ کے دین کے محافظ ہیں اور احادیث رسول ﷺ کے حفاظ ہیں اور علم وعمل میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔‘‘

الغرض ان کا ہر عمل رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت کا عکاس ہے۔ اللہ رب العزت نے ہی ان کو تمام عالمِ انسانیت میں اپنے اس مبارک دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا تھا، جس کی بدولت فضلِ الٰہی کے محور ٹھہرے:

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

عشقِ رسول (ﷺ) کی عملی مثالیں

محدثین کرامؒ کے عشقِ رسول ﷺ کے متعلق کئی عملی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں، چنانچہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کوئی حدیث لکھتے تو پہلے وضو کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عشق واحترام میں مدینہ کی گلیوں میں جوتے پہن کر چلنے سے گریز کرتے تھے۔

لہٰذا محدثین کرام عاشقانِ رسول ﷺ تھے، جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں سنتِ رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے وقف کیں، یہ محدثین دین کے خادم تھے اور اُمت کو قرآن وسنت کی روشنی میں درست راستہ دکھانے والے رہنما تھے، ان کا ہر عمل رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت کا عکاس ہے، لہٰذا امتِ مسلمہ کو محدثین کرام کی خدمات اور ان کے مقام کو پہچانتے ہوئے ان کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیے اور ان کی قربانیوں کی قدر کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ متین کی صحیح سمجھ وفہم اور ان حضرات کی دل وجان سے قدردانی کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین بجاه سيّد الرسل و خاتم النبيين صلى الله عليه و علىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

وضعِ حدیث (حدیث گھڑنے) کی ابتدا

اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اُس کی روک تھام کی کوششیں

مولوی محمد ارشاد
متخصص جامعہ

تمہید

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کفارِ مکہ کے درمیان کئی نسبتوں کی حامل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفّارِ مکہ کے درمیان صادق و امین، فیصل و ثالث، اور وفاءِ عہد جیسی کئی اہم نسبتوں سے متّصف ومعروف تھے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی مبارک کئی نسبتوں کی حامل تھی، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور رسولِ خدا ہونے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استاذ و معلم بھی تھے، مربی و مرشد بھی تھے، تمام انسانوں سے زیادہ محبوب تھے، نمونۂ حیات اور اُسوۂ حسنہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل ان کے لیے ان کی زندگی میں جزءِ ترکیبی کی حیثیت رکھتا تھا، جس کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہا کرتے تھے، لہٰذا جب یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو شریعت کا جزء بنا لیا جاتا، جس کی گواہی خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی دی کہ:

''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا '' (۱)

ترجمہ: ''اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں (اور بعمومِ الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رُک جایا کرو۔''

ایک ادنیٰ انسان بھی اپنی طرف جھوٹی بات کی نسبت کو برداشت نہیں کرسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جو اتنی نسبتوں اور اہمیتوں کی حامل ہیں، یہ کس طرح گوارہ کریں گے کہ ان کی اَن کہی بات کو ناپاک

مقاصد کے پیشِ نظر ان کی طرف منسوب کر کے شریعت کا جزء بنالیا جائے، چنانچہ آنے والے زمانے میں اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: ''إنَّ کذبا عليّ لیس ککذبٍ علی أحدٍ''،[۲] یعنی ''مجھ پر جھوٹ بولنا (سنگینی کے اعتبار سے) کسی عام شخص پر جھوٹ باندھنے جیسا نہیں ہے۔''

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وعید کے طور پر فرمایا: ''من کذب عليّ متعمّداً فلیتبوّأ مقعدهٗ من النّار''،[۳] یعنی ''جس نے مجھ پر افتراء بازی کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنادے۔''

ان ارشادات کا مقصد یہ تھا کہ کوئی بدنیت انسان اپنی کہی ہوئی بات کی تشہیر وترویج کے لیے اور اس کو شریعت کا جزء بنانے کی فاسد نیت سے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے بھی احتیاط کے پہلوؤں کو اختیار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حفظِ حدیث کی بھی ترغیب دی، اور حدیث کو پہنچانے میں الفاظ کے تغیر وتبدیلی سے حفاظت کی بھی ترغیب دی، ارشاد فرمایا:

''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا''،[۴]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس شخص کو جس نے میری بات سنی، پھر اس کی حفاظت کی اور اسے یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچایا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَ''، کہ ''بغیر کسی تبدیلی کے اس کو آگے پہنچادیا۔''

خلافتِ راشدہ اور کبار صحابہ ؓ کے دور میں نقدِ روایات

جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا، اور خلافتِ راشدہ کا دور شروع ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت سے احادیث کے حافظ ہونے، اور صدق وامانت اور خیر القرون کا زمانہ ہونے کے باوجود روایتِ حدیث میں انتہا درجہ کی احتیاط فرماتے تھے، جس کی بنیادی وجہ حضور ﷺ کے وہی ارشادات گرامی تھے جو روایتِ حدیث میں کمالِ احتیاط پر مبنی تھے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے پیشِ نظر نقدِ حدیث کے لیے اور روایت کی جانچ پرکھ کرنے کے لیے مختلف ذاتی معیارات بھی منتخب کیے تھے اور عمومی معیارات وضع کیے تھے، مثلاً: روایت کا نصوصِ قرآنیہ، اور قواعدِ دینیہ سے موازنہ کیا جاتا، اگر موافقت ہوتی تو حدیث کو قبول کرلیا جاتا، ورنہ رد کردیتے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو قرآن کے مخالف ہونے کی بنا پر رد کردیا، جب ان کے سامنے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت آئی، جس میں ذکر ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دیں اور حضور ﷺ نے ان کے لیے شوہر پر نہ ہی رہائش کو لازم فرمایا اور نہ ہی نان ونفقہ مقرر فرمایا، حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’ماکنّا نترك کتاب اللہ وسنّة نبیّنا صلی اللہ علیه وسلم لقول إمرأة، لاندري لعلها حفظت أم نسیت، لها السّکنیٰ والنّفقة، قال اللہ تعالیٰ: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ‘‘

ترجمہ: ’’ہم قرآن وسنتِ نبوی کو کسی عورت کی کہی ہوئی بات کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے، جس کے بارے میں یہ علم نہیں کہ وہ اس بات کو یاد رکھ پائی ہے یا بھول چکی ہے، لہٰذا اس کے لیے سکنیٰ ونفقہ ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ’’ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو، اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں، مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں۔‘‘(۵)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث: ’’إن المیّت لَیُعَذَّبُ ببکاء أهله‘‘ یعنی (یقیناً مردے کو ان کے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا) کو نصِ قرآن کے مخالف ہونے کی بنا پر رد کیا اور فرمایا: ’’حسبکم القرآن‘‘. قال اللہ تعالی: أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى‘‘(۶)

اس طرح احتیاط کے لیے ذاتی طور پر بھی نقدِ روایت کے لیے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معیارات وضع کیے تھے، مثلاً: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی توثیق کے لیے یہ معیار مقرر کیا کہ وہ راوی سے اس کی روایت پر شاہد اور مؤیّد طلب کیا کرتے تھے، جیسے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑھیا کے لیے میراث کا فیصلہ آیا، تو فرمایا: ’’میں اس کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں پاتا، اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے کوئی فیصلہ پاتا ہوں۔‘‘ پھر لوگوں سے پوچھنے پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ صورت میں ’’سدس‘‘ (چھٹا حصہ) عطا فرمایا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت اُن سے فرمایا: ’’هل معك أحد؟‘‘ یعنی تمہارا کوئی تائید کنندہ ہے؟ تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی، تب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ صادر فرمایا۔(۷)

اسی طرح جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ روایت سنائی: ’’إذا استأذن أحدُکم ثلاثاً فلم یؤذن لهٗ فلیرجع‘‘ یعنی (جب تم میں سے کسی ایک نے تین مرتبہ اجازت طلب کی اور اس کو نہ مل سکی تو اس کو چاہیے کہ وہ لوٹ جائے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر گواہ طلب کیا، پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کے حق میں گواہی دی، تب انہوں نے روایت کو قبول فرمایا۔(۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ معیار مقرر فرمایا تھا کہ وہ راوی سے اس کے سماع پر قسم لیا کرتے تھے کہ اس

نے حضور ﷺ سے یہ روایت سنی ہے، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے:

’’عن علي بن أبي طالب قال: كنت إذا سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً نفعني الله بما شاء منه، وإذا حدثني غيري عن النبي صلى الله عليه وسلم لم أرض حتى يحلف لي أنه سمعه من النبي صلى الله عليه وسلم.‘‘

ترجمہ: ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں (براہِ راست) حضور ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق مستفید ہوتا، اور جب کوئی اور مجھے نبی اکرم ﷺ کی حدیث سناتا تو میں اس وقت تک اس پر راضی نہیں ہوتا جب تک وہ قسم نہ کھالیتا کہ اس نے یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے۔‘‘(۹)

بہر حال اس دور میں ذخیرۂ حدیث اور شریعت کی اس اَساس کی مختلف طریقوں سے حفاظت کی گئی، کسی نے کتابتِ حدیث سے، کسی نے کثرتِ روایت سے، اور کسی نے قلّتِ حدیث میں حفاظت کا پہلو جان کر اپنا حصہ ڈالا۔

وضعِ حدیث کے ابتدائی مراحل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ آخر میں جو قرنِ اول کے دوسرے ثلث کا ابتدائی زمانہ تھا، ان کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، اور اُمتِ مسلمہ میں مختلف فرقِ ضالّہ کا وجود اور ظہور ہونا شروع ہوا، اور ہر ایک اپنی آراء وافکار کی تائید و دفاع کی آڑ میں اپنی رائے کو ہی دین سمجھ کر حضور اکرم ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنے لگا، جس کی وجہ سے ذخیرۂ حدیث اور شریعت کی اس اَساس و بنیاد پر وضعِ حدیث کی اصطلاح کی صورت میں ایک نیا فتنہ اُبھر کر سامنے آیا، اور ’’مختار ثقفی‘‘ جیسے زنادقہ کے کوفہ اور دوسرے شہروں میں ظہور سے اس میں خاصی شدت آئی، جس نے اُمتِ مسلمہ کے لیے پُرخطر صورت اختیار کی، پھر بعد کی صدیوں میں اس فتنے نے کبھی آہستگی اور کبھی سرعت رفتاری کے ساتھ بدعت اور فتن کے بڑھنے کے باعث کثرتِ موضوعات کی صورت اختیار کی، یہاں تک کہ ایک ایک راوی حدیث کے نام پر کئی کئی مجموعے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے وضع کر لیا کرتا تھا، خلیفہ محمد مہدی کہتے ہیں:

’’أقرّ عندي رجل من الزنادقة أنه وضع أربع مائة حديث، فهي تجول في أيدي الناس.‘‘

ترجمہ: ’’میرے پاس زنادقہ میں سے ایک شخص نے چار سو احادیث گھڑنے کا اعتراف کیا، وہ

احادیث لوگوں کے درمیان گردش کر رہی ہیں۔‘‘

دوسرا واقعہ حماد بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا بیان ہے کہ:

’’وضعت الزنادقة على رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة عشر ألف حديث.‘‘(۱۰)

ترجمہ: ’’زنادقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تقریباً چودہ ہزار احادیث گھڑ کر منسوب کیں۔‘‘

اور اس نوعیت کے مختلف اسباب کے تحت احادیث کو گھڑ لیا جاتا تھا، زمانے کے آگے بڑھنے اور بدلنے کے ساتھ یہ اسباب مختلف ہوتے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں زنادقہ کا مقصد، دین میں تخریب کاری تھا، اسی طرح ہر فرقہ کے وضعِ حدیث کا مقصد، احادیث کے ذریعہ سے اپنے افکار کی تائید اور ترویج و تشہیر ہوا کرتی تھی، اور بعد کی صدیوں میں بھی کبھی ترغیب و ترہیب اور کبھی دنیا کی لالچ ملحوظِ نظر ہوا کرتی۔

وضعِ حدیث کے ابتداءِ زمانہ میں اختلاف

بہرکیف! اس بات کا یقینی علم تو مؤرخین کو نہیں ہو سکا کہ متعین واقعہ کی طرف اور کس متعین شخصیت کی طرف وضعِ حدیث کی ابتدا کی نسبت ہوئی ہے؟ اس بنا پر آج بھی اس بارے میں مختلف آراء ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا قول: وضعِ حدیث اور کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ’’من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعدهٗ من النار. الحديث‘‘ کے شانِ ورود کی طرف منسوب ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی وضعِ حدیث کے کسی واقعہ کے پیش آنے کے وقت آپ نے ارشاد فرمایا ہوگا، جیسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ’’الموضوعات‘‘ (ص:۱/۵۵) میں مختلف طرق سے اس سے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک قوم کے پاس آکر کہنے لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے بارے میں اور تمہارے اموال کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس نے زمانۂ جاہلیت میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا جس کو اس کے گھر والوں نے مسترد کردیا تھا، پھر اس نے جاکر اس عورت کے ہاں پڑاؤ ڈالا، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے متعلق پیغام بھیجا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے، اور پھر ایک صحابیؓ کو یہ فرما کر بھیجا کہ اگر اس کو زندہ پاؤ تو قتل کردو، اور اگر مردہ پاؤ تو جلا دینا، وہ صحابیؓ گئے تو اس کو مرا ہوا پاکر آگ میں جلا دیا۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔‘‘(۱۱)

دوسرا قول: وضعِ حدیث کی ابتدا ''مختار ثقفی'' کے کوفہ میں ظہور سے ہوئی اور یہی پہلی شخصیت ہے جس نے لوگوں کو اور بعض نام نہاد محدثین کو وضع حدیث جیسے رکیک عمل پر آمادہ کیا، یہ قرنِ اول کے ثلث اخیر کا زمانہ تھا، اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الموضوعات'' میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے: ''قال المختار لرجل من أصحاب الحديث: ضع لي حديثاً عن النبي صلى الله عليه وسلم، إني كائن بعدهٗ خليفة و طالب له.....''(۱۲)

ترجمہ: ''مختار ثقفی نے ایک شخص سے یہ حدیث وضع کرنے کا کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوں، (اور آگے ہے کہ) اس کے بدلے یہ دس ہزار درہم اور سامان، سواری، اور خادم ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ بات منسوب نہیں کرسکتا، البتہ کسی بھی صحابیؓ کی طرف منسوب کر کے اس کا قول وضع کرلوں گا، اور اس کا معاوضہ کم دے دو، مختار ثقفی نے کہا: ''عن النبي صلى الله عليه وسلم أوكد.'' اس شخص نے کہا: ''والعذاب أشدّ.'' یعنی ''اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں زیادہ تاکید ہے تو عذاب بھی اتنا ہی سخت ہے۔''

بہرحال اس شخص نے اگرچہ قبول تو نہیں کیا، لیکن کم از کم اس بات کا علم ضرور ہوجاتا ہے کہ یہ مختار ثقفی اس سلسلے کا محرک تھا، اور اسی کے درپے رہا کرتا تھا، اور اس سے نہیں تو کسی اور آدمی سے ضرور حدیثیں وضع کرائی ہوں گی، لہٰذا اس کی طرف وضعِ حدیث کی ابتدا کو منسوب کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا قول: وضعِ حدیث کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے المناک واقعہ پیش آنے کے بعد سے ہوئی؛ کیونکہ اس کے بعد خوارج و روافض جیسے فرقِ ضالہ کا ظہور ہوا، جو کذب و افتراء علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بنا ہے۔

اور اس قول کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے:

''لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة، قالوا: سموا لنا رجالكم، فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم، و ينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.''(۱۳)

ترجمہ: ''صحابہ رضی اللہ عنہم سند کے حوالے سے سوال نہیں کیا کرتے تھے، البتہ جب فتنوں کا ظہور ہوا تو پھر وہ کہنے لگے: ہمیں اپنی روایات کے رجال کی شناخت کراؤ، تاکہ جو اہلِ سنت میں سے ہو تو اس کی روایت کو قبول کرلیا جائے اور بدعتی کی روایت کو نہ لیا جائے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

’’إنّا كنّا نحدّث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا لم يكن يكذّب عليه، فلما ركب الناس الصّعب والذّلول تركنا الحديث عنه.‘‘(۱۴)

ترجمہ: ’’ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، لیکن جب لوگ ہر قسم کی سواریوں پر سوار ہونے لگے (یعنی ہر رطب و یابس بات نقل کرنے لگے) تو ہم نے (احتیاطاً) حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا۔‘‘

مذکورہ روایات کے پیش نظر یہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ وضعِ حدیث کی ابتدا اگرچہ کم اور غیر منظم ہی سہی، لیکن قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے نتیجے میں پیش آنے والے فتن اور فرقِ ضالہ کا ظہور رہا جس سے زنادقہ کو دین میں تخریب کاری کرنے کا بہترین موقع میسر ہوا، جیسے ابن سیرینؒ کی روایات میں صراحت ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اگلے دور میں ابن سبا اور مختار ثقفی اور دوسرے زنادقہ کے دور میں اس کی ترویج و تشہیر ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ یہ سمندر یہاں تھما نہیں، بلکہ جب جب علماء کا فقدان ہوتا گیا، علمی مجالس کی رونقیں مدہم ہوئیں، اور اس کے نتیجے میں شریعت کے احکام کے لیے غیر معتبر مراجع کی طرف رجوع ہوا، اور ہر طرح کے کھرے کھوٹے کو لیا جانے لگا، جس کا نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا ہے:

’’إن الله لا يقبض العلم إنتزاعاً ينتزعهُ من الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يبق عالماً إتخذ الناس رؤوساً جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا.‘‘(۱۵)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں (کے سینوں) سے اچک کر ختم نہیں کریں گے، بلکہ علم کو علماء کے مفقود کرنے سے ختم کرلیں گے، اور جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہل سرداروں پر لپک پڑیں گے، جب ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ جہالت پر مبنی فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔‘‘

بہر حال! اسی صورت حال کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان ضعیف جھوٹی اور من گھڑت احادیث کی ترویج ہوئی، جس سے انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کا معتبر ترین ذخیرہ داغدار ہونے کے قریب ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ بذات خود اس وحی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا ہے:

’’إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ.‘‘(۱۶)

ترجمہ: ’’ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔‘‘

لہٰذا ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار اس اُمت کو عطا فرمائے، جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کرکے اور احادیث کی خدمت کرتے ہوئے ہر صحیح و سقیم، کھرے کھوٹے میں فرق کرکے ایک طرف مفسدینِ دین اور زنادقہ کے ہر پتھر کا بدلہ چٹان سے دیا، وہیں دوسری طرف اُمتِ مرحومہ کی بہت بڑی گمراہی سے حفاظت کی، جیسے علامہ خطیب بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ’’الکفایة في علم الروایة‘‘ میں عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

’’قیل لابن المبارك: هٰذه الأحادیث المصنوعة؟ قال: یعیش لها الجهابذة.‘‘(۱۷)

ترجمہ: ’’جب ابن مبارکؒ سے موضوع و مصنوع احادیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کے لیے تو کھرے کھوٹے کو پرکھنے کے ماہرین زندہ ہیں۔‘‘

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’ یحمل هٰذا العلم من کل خلف عدوله، ینفون عنه تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، وتأویل الجاهلین.‘‘ (۱۸)

ترجمہ: ’’اس علم کو اگلی نسل کے ایسے انصاف پسند اہلِ علم اُٹھائیں گے، جو غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہلِ باطل کے غلط انتسابات اور جاہلوں کی غلط تاویلات کی بیخ کنی کریں گے۔‘‘

اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ وضعِ حدیث میں شدت کے بالمقابل محدثین اور ان رجال کار ائمہ کرامؒ نے بھی اپنے صحابہ کرامؓ کے دور سے ہی حصولِ علم اور روایتِ حدیث میں احتیاط کے لیے علمی اسفار کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، جس کی بنا پر وضّاعین کی گرفت کی جاتی تھی، بعد کے زمانہ میں خاص احادیثِ موضوعہ کو بھی تالیف و تصنیف کرکے باقاعدہ جمع کیا گیا، جس کی بنا پر بہت سارا ذخیرۂ موضوعات اُمت کے سامنے پیش کیا گیا، جیسے: ’’الموضوعات لابن الجوزي‘‘، ’’تذکرة الموضوعات لأبِي الفضل محمد بن طاهر المقدسي‘‘، ’’کتاب الموضوعات من الاحادیث المرفوعات لأبي عبد الله الجوزقاني ‘‘، ’’اللآلي المصنوعة في الأحادیث الموضوعة للسیوطي‘‘، اور ان کے علاوہ بہت ساری کتابیں ہیں، جن میں ذخیرۂ موضوعات کو صحیح احادیث سے الگ کرکے یکجا جمع کیا گیا۔ (۱۹)

خاتمہ

محدثین کی انہی خدمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم ذخیرہ اور وحیِ شریعت کی حفاظت

فرمائی، لہٰذا یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ ذخیرۂ حدیث جس طرح وضعِ حدیث سے پہلے قابلِ اعتماد تھا، آج بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کی خدمات کی بنا پر اسی طرح قابل اعتماد ہے، اور تخریب کاروں اور مفلوج ذہنوں سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس میں کسی قسم کے کوئی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ ذخیرۂ حدیث کی حفاظت کی خاطر معتبر احادیث کی اشاعت اور موضوع روایات کی روک تھام میں اپنی وسعت کے مطابق کردار ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہماری صلاحیتوں کو اس کارِ خیر کے لیے قبول فرمائیں، آمین!

حواشی وحوالہ جات

١- سورة الحشر، الآية (٧)
٢-مقدمة مسلم، باب:تغليظ الكذب على الرسول: ٥٧/ ١، رقم الحديث (٥)، ط:مكتبة البشرى
٣-مقدمة مسلم، باب:تغليظ الكذب على الرسول: ٥٥/ ١،رقم الحديث (٤)، ط:مكتبة البشرى
٤-سنن الترمذي، باب ما في الحث على تبليغ السماع، ص:٩٤/ ٢، ط:قديمي كتب خانه
٥-صحيح مسلم، باب:المطلقة البائن النفقة لها، ص:٩٧٩/ ٢،رقم الحديث (٣٧٠٩)، ط: مكتبة البشرى
٦-صحيح مسلم، كتاب الجنائز، ص:٦١٧/ ١، رقم الحديث (٢١٥٠)، ط:مكتبة البشرى
٧- سنن أبي داؤد، باب في الجدة، ص:٥٣/ ٢، رقم الحديث (٢٨٩٤)، ط: مكتبة رحمانية
٨-سنن أبي داؤد، باب:كم مرة يسلم الرجل في الإستيذان، ص:٣٦٣/ ٢، رقم الحديث (٥١٨)، ط: مكتبة رحمانية
٩-الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، ص(٣٨)، ط:مؤسسة الرسالة
١٠-الموضوعات لإبن الجوزي، ص:٣٨/ ١، ط:دار الفكر
١١- الموضوعات لإبن الجوزي، ص:٣٨/ ١، ط:دار الفكر
١٢-الموضوعات لإبن الجوزي، ص:٣٩/ ١، ط:دار الفكر
١٣-مقدمة مسلم، باب:بيان أن الإسناد من الدين، ص:٦٢/ ١، رقم الحديث (٢٧)، ط:مكتبة البشرى
١٤-مقدمة مسلم، باب:النهي عن الرواية عن الضعفاء والإحتياط في تحملها، ص:٦٠/ ١، رقم الحديث (١٩)، ط: مكتبة البشرى
١٥-صحيح مسلم، باب:رفع العلم وقبضه، ص:١٦٣٤/ ٣، رقم الحديث(٦٧٩)، ط: مكتبة البشرى
١٦-سورة الحجر: ٩
١٧-الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، ص:٤٨، ط:مؤسسة الرسالة
١٨-التمهيد لابن عبد البرؒ، باب معرفة المرسل والمسند والمنقطع والمتصل، ص:٧٠/ ١، ط:دار إحياء التراث العربي
١٩-الرسالة المستطرفة للكتاني، ص:١٤٨، ط:دار البشائر الإسلامية

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

معروف حنفی محدث وفقیہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

حیات اور علمی خدمات

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصصِ جامعہ

احناف سے فقہی یا مسلکی اختلاف رکھنے والے حضرات کی طرف سے عام طور پر یہ بات باور کرائی جاتی ہے کہ حنفیہ میں فقہائے کرام تو بہت گزرے ہیں، لیکن علمِ حدیث میں مہارت رکھنے والے محدثین کی تعداد چند ایک سے زیادہ نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر احناف کے طبقات وتراجم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہبِ حنفیہ میں اصحابِ حدیث اور محدثین کی تعداد دیگر فقہی مذاہب سے کسی طرح کم نہیں۔ احناف میں بھی چوٹی کے محدثین اور علومِ حدیث میں اجتہادی شان رکھنے والے فقہاء گزرے ہیں، جن کی حدیثی خدمات سے ایک دنیا مستفید ہورہی ہے۔ ایسے ہی جلیل القدر حنفی محدثین میں سے ایک علامہ بدرالدین عینیؒ ہیں، جو حافظ ابن حجرؒ کے معاصر اور ان کے ہم پلہ کے تھے، نیز ایک محدث ہونے کے ساتھ بے مثال فقیہ بھی تھے۔ ذیل میں علامہ بدرالدین عینیؒ کی حیات اور علمی خدمات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

نام ونسب اور ولادت

ان کا مکمل نام بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ عینی ہے، ستائیس رمضان المبارک سن ۷۶۲ھ کو مصر کے مشہور شہر حلب کے قریب ''عین تاب'' نامی شہر میں پیدا ہوئے، اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں عنتابی اور عینی کہا جاتا ہے۔ (۱)

تحصیلِ علم

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد اور دادا اپنے علاقے میں قاضی رہ چکے تھے، چنانچہ علامہ عینیؒ بھی بچپن سے ہی علم کی راہ پر چل پڑے۔ سب سے پہلے انہوں نے قرآن پاک

حفظ کیا، اور شاطبی وغیرہ کتبِ تجوید کی تعلیم حاصل کی، پھر صرف ونحو، منطق، ادبِ عربی اور فقہ وغیرہ کی تعلیم بھی اپنے علاقے کے علماء ومشائخ سے حاصل کی۔ اور بعدازاں مزید علم حاصل کرنے کے لیے اسفار شروع کیے، اور اپنے وقت کے جلیل القدر اہلِ علم سے کسبِ فیض کیا، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو تقریباً سات سال کی عمر میں ان کے والد مشہور ومعروف خطاط محمود بن احمد بن ابراہیم قزوینیؒ کے پاس لائے، چنانچہ علامہ عینیؒ نے ان سے خوش نویسی اور بعض خطوط سیکھے۔

قرآن پاک کا ابتدائی ربع حصہ شارحِ مصابیح علامہ محمد بن عبیداللہؒ کے پاس پڑھا، لیکن قرآن مکمل حفظ شیخ معزالدین حنفیؒ کے پاس کیا، اور انہی سے شاطبیہ پڑھی۔

عربی ومنطق کی کتب، جیسے رمز الکنوز للآمدي، شرح مطالع الأنوار، مراح الأرواح، شرح الشافية، شرح الشمسية وغیرہ شیخ شمس الدین محمد الراعیؒ کے پاس پڑھیں۔

علامہ زمخشریؒ کی کشاف اور مفصل، اسی طرح صدر الشریعۃؒ کی توضیح اور بعض دیگر کتب کی تعلیم علامہ تفتازانیؒ کے شاگرد جبریل بن صالح بغدادیؒ سے حاصل کی۔

مختصر القدوري، منظومة للنسفي، مجمع البحرين وغیرہ کتب میکائیل بن حسین ترکمانیؒ کے پاس پڑھیں۔

التبيان في المعاني والبيان اور مفتاح العلوم للسكاكي وغیرہ عیسیٰ بن الخاص سرماریؒ سے حاصل کیں۔

علامہ تقی الدین دجویؒ کے پاس متعدد کتبِ احادیث پڑھیں، جیسے کتبِ ستہ، مسند دارمی وغیرہ۔

علامہ زین الدین عراقیؒ کے پاس صحیح مسلم اور ابن دقیق العیدؒ کی ''الإلمام'' پڑھیں۔

الغرض علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد علوم کی تعلیم اپنے فن میں ماہر اساتذہ سے حاصل کی، اور صرف اپنے علاقے کے علماء اور قرب وجوار کے مشائخ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان سے استفادہ کرکے پھر مزید حصولِ علم کے لیے اسفار بھی کیے۔ (۲)

دینی مسائل کی تشریح میں لوگوں کی عقل وفہم کا لحاظ رکھنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: ''لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق باتیں بیان کرو، کیا تم یہ چاہو گے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے؟'' (۳) اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق باتیں کریں۔'' (۴)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس پر عمل کرتے تھے، چنانچہ دینی مسائل کی تفہیم وتشریح میں لوگوں کی عقل وفہم کا

لحاظ رکھتے تھے، وقت کے حاکم ملک اشرف علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے دینی مسائل کے بارے میں بہت سوالات کرتے تھے، اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے فہم کا لحاظ رکھ کر جواب دیتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک اشرف کو دین کے احکام میں شبہات نہیں رہتے تھے، چنانچہ اکثر اوقات وہ کہتے تھے:

''لو لا العينتابي لكان في إسلامنا شيء .''(۵)

''اگر علامہ عینیؒ نہ ہوتے تو ہمارے اسلام میں کچھ کمی رہ جاتی۔''

علامہ عینیؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ کے درمیان معاصرانہ چشمک

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ ہم عصر تھے، عمر کے لحاظ سے علامہ عینیؒ تھوڑے بڑے تھے، لیکن چونکہ علمی خدمات وغیرہ میں قریباً دونوں ایک دوسرے کے ہم سر تھے، اس پر مستزاد یہ کہ علامہ عینیؒ حنفی تھے، جبکہ حافظ ابنِ حجرؒ شافعی المسلک تھے، دونوں کی رہائش بھی ایک ہی علاقے میں تھی، دونوں حضرات منصبِ قضا پر فائز، اور بخاری کے شارح بھی تھے، اس لیے ان کے درمیان معاصرانہ چپقلش اور چشمک چلتی رہتی تھی، اور فریقین کے مابین علمی اعتراضات اور باہمی تردید وتنقید کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

چنانچہ حاکمِ وقت ''ملک مؤید'' نے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی بنائی ہوئی مسجد میں درسِ حدیث کے لیے مقرر کیا، اتفاق سے اسی سال اس مسجد کا منارہ جھک کر گرنے کے قریب ہوگیا، اس پر حافظ ابن حجرؒ نے دو شعر کہے:

بجامع مولانا المؤيد رونق
منارتهٗ بالحسن تزهو و بالزين
تقول وقد مالت عليهم تمهلوا
فليس على هدمي أضر من '' العين''(۶)

یعنی: ''جناب مؤید کی جامع مسجد میں بڑی رونق ہے، اور اس کا منارہ فخر و زینت کی وجہ سے خوبصورت لگ رہا ہے، لیکن وہ لوگوں پر جھک کر کہتا ہے کہ ٹھہرو، مجھے منہدم کرنے کے سلسلے میں ''عین'' (نظرِ بد) سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں۔''

اس شعر میں لفظِ عین سے مراد اگرچہ نظرِ بد ہے، لیکن اس سے علامہ عینیؒ پر بھی تعریض ہوتی ہے، کیونکہ ضرورتِ شعری کی بنا پر اسے ''عيني'' پڑھا جاتا ہے۔

علامہ عینیؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کے جواب میں درجِ ذیل دو شعر لکھ کر بھیج دیے:

منارة كعروس الحسن إذ جليت
و هدمها بقضاء الله والقدر

قالوا: أصيبت بعين، قلت: ذا غلط
ما أوجب الهدم إلا خسة ’’الحجر‘‘،(۷)

یعنی: ’’یہ منارہ خوبصورت عروس کی طرح روشن تھا، اور اس کا گرنا محض اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کی وجہ سے ہے، لوگوں نے کہا کہ اسے نظر لگ گئی ہے، میں نے کہا کہ: یہ بات غلط ہے، اسے تو ’’حجر‘‘ (پتھر) کی خرابی نے ہی گرایا ہے۔‘‘

تو اس شعر میں ’’حجر‘‘ سے مراد پتھر ہے، لیکن اس سے علامہ ابن حجرؒ پر بھی ایک گونہ تعریض ہوتی ہے۔

معاصرین سے استفادہ

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے درمیان معاصرانہ تنافس اور چشمک مشہور ہے، لیکن اس کے باوجود دونوں حضرات ایک دوسرے سے استفادہ کرنے سے شرم وحیا محسوس نہیں کرتے تھے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے علامہ عینیؒ سے بعض احادیث کا سماع کیا، اسی طرح علامہ عینیؒ بھی حافظ ابن حجرؒ کی تصانیف سے استفادہ کرتے رہتے تھے، (۸) بلکہ علامہ عینیؒ کے مرض الموت میں حافظ ابن حجرؒ جب عیادت کے لیے آئے تو اس وقت بھی علامہ عینیؒ اُن سے اپنے شیخ زین الدین عراقیؒ کی مسموعات کے بارے میں پوچھ رہے تھے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ (۹)

علمائے حق کی ایسی ہی شان ہوتی کہ علمی اختلافات اور مناقشات اپنی جگہ، لیکن یہ اختلافات باہمی رنجش اور ذاتی نزاع کا سبب نہیں بنتے تھے، اور نہ ایک دوسرے سے استفادہ کرنے سے مانع ہوتے۔

تلامذہ سے استفادہ

علامہ عینیؒ جس طرح اپنے معاصرین اور مخالفین سے استفادہ کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے، اسی طرح اپنے تلامذہ سے علمی مسائل پوچھنے میں بھی شرم وحیا محسوس نہیں کرتے تھے، چنانچہ اپنے شاگرد مؤلف ’’النجوم الزاهرة‘‘ علامہ ابن تغری بردیؒ سے بھی بعض تاریخی مسائل میں تحریری طور پر استفادہ کیا۔ (۱۰)

تلامذہ وشاگرد

علامہ عینیؒ ایک طویل عرصہ منصبِ تدریس پر فائز رہے، جس کی وجہ سے کئی حضرات کو ان سے تلمذ کا موقع ملا، جن میں اپنے وقت کے کبار فقہاء ومحدثین اور بڑے مشائخ بھی ہیں، ذیل میں ان میں سے بعض حضرات کا نام ذکر کیا جاتا ہے:

۱- علامہ ابن ہمام محمد بن عبد الواحد سیواسیؒ (ت: ۸۶۱ھ)
۲- علامہ سخاوی شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰنؒ (ت: ۹۰۲ھ)
۳- ابوالفضل احمد بن صدقہ عسقلانی المعروف ابن الصیر فیؒ (ت: ۹۰۵ھ)
۴- ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردیؒ (ت: ۸۷۴ھ)
۵- نجم الدین محمد بن عبد اللہ المعروف ابن قاضی عجلونؒ (ت: ۸۷۶ھ)
ان کے علاوہ اور بھی بیسیوں حضرات کو علامہ عینیؒ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

اساتذہ وشیوخ(۱۱)

علامہ بدرالدین عینیؒ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء ومشائخ سے علم حاصل کیا، جن میں فقہاء، محدثین، مفسرین، اُدباء اور دیگر مختلف علوم وفنون کے ماہرین شامل ہیں، ان میں سے چند ایک کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

۱: زین الدین عبد الرحیم بن الحسین عراقیؒ (ت: ۸۰۶ھ)، مشہور ومعروف محدث ہیں، علومِ حدیث میں ألفية، التقييد والإيضاح، اور المغني عن حمل الأسفار في الأسفار اور إحياء العلوم کی احادیث کی تخریج اور دیگر کتب ان کی مضبوط علمی استعداد پر شاہد عدل ہیں۔

۲: ابوحفص عمر بن رسلان بلقینیؒ (ت: ۸۰۵ھ)، اپنے وقت کے مشہور محدث اور علم حدیث کی معروف کتاب ''محاسن الاصطلاح'' وغیرہ کے مصنف ہیں۔

۳: نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمیؒ (ت: ۸۰۷ھ)، حدیث کی معروف کتاب مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، اور موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان وغیرہ کے مؤلف اور حفاظِ حدیث میں سے تھے۔

اسی طرح احمد بن محمد سیرامیؒ (ت: ۷۹۰ھ)، تقی الدین محمد دجویؒ (ت: ۸۰۹ھ)، عیسی بن الخاص سرماریؒ (ت: ۷۸۸ھ) اور دیگر اساطینِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔

اہلِ علم کی ان سے متعلق آراء

علامہ ابن تغری بردیؒ فرماتے ہیں:

''وكان إماماً فقيهاً أصولياً، نحوياً، لغوياً، بارعاً في علوم كثيرة، وأفتى ودرّس سنين، وصنّف التصانيف المفيدة النافعة.''(۱۲)

یعنی ''علامہ عینیؒ امام، فقیہ، اصولی، نحوی، لغوی اور بہت سے علوم میں ماہر تھے، کئی سال مسندِ تدریس وافتاء پر براجماں رہے، بہت سی نفع مند کتابیں تصنیف کیں۔''

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

’’وكان إماماً عالماً علامةً عارفاً بالصرف والعربية وغيرها، حافظاً للتاريخ وللغة كثير الاستعمال لها، مشاركاً في الفنون، ذا نظم ونثر، مقامه أجل منهما، لا يمل من المطالعة والكتابة.‘‘(۱۳)

’’وہ امام، عالم، علامہ صرف وعربی وغیرہ جاننے والے، تاریخ ولغت کے حافظ اور زیادہ استعمال کرنے والے تھے، متعدد علوم وفنون میں دسترس حاصل تھی، منظوم ومنثور کلام کہنے اور مطالعہ اور تحریر سے نہ اُکتانے والے شخص تھے۔‘‘

ابن خطیب ناصریہؒ فرماتے ہیں:

’’وهو إمام عالم فاضل مشارك في علوم، وعندهٗ حشمة ومروءة وعصبية وديانة.‘‘(۱۴)

’’وہ امام، عالم، فاضل، کئی علوم میں دسترس رکھنے والے تھے، ان کے پاس وقار، مروءت اور دیانت تھی۔‘‘

علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:

’’وكان إماماً عالماً علامةً عارفاً بالعربية والتصريف وغيرهما، حافظاً للغة.‘‘(۱۵)

’’وہ امام، عالم، علامہ، علمِ صرف وادبِ عربی وغیرہ جاننے والے، لغت کے حافظ تھے۔‘‘

کتابت وتحریر میں سرعت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف تھے، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کے بعد میں نے کسی کی تصانیف علامہ عینیؒ سے زیادہ نہیں دیکھیں، اس کے ساتھ خوش نویس بھی تھے، تحریر اور کتابت میں سرعتِ رفتار کا یہ عالم تھا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب مختصر القدوري ایک ہی رات میں مکمل نقل کر لی۔(۱۶)

تصانیف وتالیفات

علامہ عینیؒ نے متعدد علوم وفنون میں دسیوں گراں قدر کتابیں تصنیف کی تھیں، جن میں سے بعض کا ذکر حسبِ ذیل ہے:

۱-عمدة القاري: صحیح بخاری کی بہترین شرح ہے۔

۲-مغاني الأخيار: علامہ طحاویؒ کی کتاب ’’معاني الآثار‘‘ کے رجال سے متعلق ہے۔

۳-نخب الأفكار: علامہ طحاویؒ کی معاني الآثار کی لاجواب شرح ہے۔
۴-البناية: فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب ''ہدایہ'' کی ایک عمدہ شرح ہے۔
۵-رمز الحقائق شرح كنز الدقائق
۶-عقد الجمان في تاريخ أهل الزمان

اسی طرح اور بھی بہت سی کتب ہیں، جو آپ کی علمیت اور مختلف علوم میں مہارت کی واضح دلیل ہیں۔ (۱۷)

انتقال پُرملال

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہِ ذوالحجہ سن ۸۵۵ھ کو دارِفانی سے دارالبقا کی طرف رحلت فرمائی، انتقال کے وقت اُن کی عمر تقریباً ۹۳ سال تھی۔ (۱۸)

حواشی وحوالہ جات

١- الضوء اللامع لأهل القرن التاسع للسخاوي، (١٣١/ ١٠)، الناشر: دار الجيل- بيروت
٢- الضوء اللامع للسخاوي، (١٣١/ ١٠)
٣- صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم، (٣٧/ ١)، الناشر: دار طوق النجاة، ١٤٢٠ﻫ
٤- كنز العمال، (٢٤٢/ ١٠)، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط:١٤٠١ﻫ- ١٩٨١ء
٥- النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة لابن تغري بردي، (١٠/ ١٦)، الناشر: دار الكتب، مصر
٦- بغية الوعاة للسيوطي، (٢٧٦/ ٢)، الناشر: المكتبة العصرية، لبنان
٧- سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي، (٤٦/ ٤)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:١٤١٩ﻫ
٨- الضوء اللامع للسخاوي، (١٣٣/ ١٠)
٩- التبر المسبوك في ذيل السلوك للسخاوي، (ص:٣٧٨)، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية- القاهرة
١٠- النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة لابن تغري بردي، (١٠/ ١٦)
١١- الضوء اللامع للسخاوي، (١٣١/ ١٠)
١٢- النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة لابن تغري بردي، (١٠/ ١٦)
١٣- الضوء اللامع للسخاوي، (١٣٣/ ١٠)
١٤- المصدر السابق
١٥- بغية الوعاة للسيوطي، (٢٧٥/ ٢)
١٦- الضوء اللامع للسخاوي، (١٣٣/ ١٠)
١٧- الفوائد البهية في تراجم الحنفية للكنوي، (ص:٢٠٧)، الناشر: دار السعادة، مصر
١٨- التبر المسبوك للسخاوي، (ص:٣٧٨)- وحسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة للسيوطي، (٤٧٤/ ١)، الناشر: دار إحياء الكتب العربية، مصر

گوہرِ نایاب

مفتی محمد حنیف عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد طیب زمان
استاذ مدرسہ بیت العلم، کراچی

کچھ شخصیات محض افراد نہیں، بلکہ مکمل تاریخ ہوتی ہیں، جن کے جانے سے دل بوجھل اور زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حنیف عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ بھی ان عظیم شخصیات میں سے تھے، جن کے انتقال پُر ملال سے ایسا لگتا ہے جیسے ایک شخص نہیں، ایک عہد رخصت ہوگیا ہے۔ وقت شاید زخم بھر دے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد محفل ویران اور دل خالی ہوگیا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت تعلیمی وتربیتی کام کرنے والوں کے لیے حکمت کا خزانہ تھی۔ ہرلمحہ، ہرملاقات میں علم بانٹنے والے انسان تھے، جب بولتے تو الفاظ نہیں بلکہ تجربات بولتے تھے، اس لیے کہ ان کی اپنی زندگی عمل سے روشن تھی۔ کسی کی رہنمائی کرتے تو پہلے اس کے دل میں جگہ بناتے، پھر بڑی حکمت سے اس کے ذہن میں فکر اور احساس کا چراغ جلا دیتے۔ الغرض مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی پاکستان بھر میں اصلاحِ امت، قیادت وافرادسازی کی مسلسل جدوجہد میں قیمتی بنائی۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، خلوص اور تقویٰ کا ایسا گوہرِ نایاب تھی جس کی مثال کم ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ پر خاص فضل فرمایا کہ اس جہدِ مسلسل اور محنت کا ثمرہ ان کی زندگی ہی میں مدارس ومساجد، مکاتبِ قرآنیہ، تعلیمِ بالغان وبالغات کے حلقوں اور اسلامک اسکولز کے قیام کی صورت میں دکھایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو ایسی کون سی صفات اور فکر عطا فرمائی تھی کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہتی تھی، وقت میں برکت اور کاموں میں قبولیت تھی؟! ہم سب بھی ان صفات کو پڑھ کر اپنی زندگی میں لانے کی فکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہمارے وقت اور کاموں میں بھی برکت ہوگی۔

❶ - نماز سے متعلق فکر

مفتی صاحبؒ زندگی بھر نہ صرف صاحبِ ترتیب رہے، بلکہ اکثر صفِ اول اور تکبیرِ اُولیٰ کا خاص اہتمام فرماتے تھے، سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا کوئی بھی مصروفیت، نماز تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

اندازہ لگائیے کہ انتقال سے ایک ماہ قبل جب کہ بیماری کی شدت تھی اور قیام کرنا بھی مشکل ہوگیا تھا، بندہ نے دیکھا کہ مفتی صاحبؒ نے ظہر کی چار رکعت سنت تقریباً بارہ منٹ میں ادا فرمائی، یقیناً یہ وہی شخص کرسکتا ہے جسے نماز میں لطف محسوس ہوتا ہو۔

نوجوانی ہی سے تہجد اور رو رو کر لمبی دعائیں مانگنے کا اہتمام فرماتے تھے، جس کا مشاہدہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ اسفار میں بارہا کیا۔ مرض الوفات میں بھی تہجد کی پابندی فرمائی، مسجد جانے کی طاقت نہ رہی تو بستر پر ہی جماعت سے نماز ادا فرماتے رہے۔ جب اشارے سے نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہوا تو کان میں نماز کے کلمات کہلوائے اور قرار آیا۔

آخری ایام میں ایک ساتھی نے نماز پڑھائی تو ادائیگی میں کچھ جلدی کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی مفتی صاحبؒ نے شفقتاً فرمایا کہ جلدی نماز نہ پڑھائیں۔ نماز پڑھانے والے نے تاویلاً کہا کہ آپ کو سہولت ہو اس وجہ سے جلدی کی، مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ قیام مختصر کرلیں، لیکن رکوع اور سجدہ اطمینان سے ہو۔

مفتی صاحبؒ اپنے متعلقین کو بھی بارہا تاکید فرماتے کہ نماز کو سنت کے مطابق، تعدیلِ ارکان کے ساتھ پڑھنے سے ہمارے مسائل حل ہوں گے۔ جتنا بھی اہم مشورہ یا کام ہو اذان کی آواز کانوں میں پڑتے ہی مجلس برخاست فرماتے اور حاضرین کو تاکید فرماتے کہ صفِ اول کی فکر فرمالیں۔ جو ساتھی صفِ اول سے رہ جاتے ان سے مذاکرہ کرتے ہوئے فرماتے کہ ہمارے کام تب ہی آسان ہوں گے جب ہم اہتمام سے نماز ادا کریں گے۔ کسی ذمہ دار یا استاذ کو نماز جلدی جلدی پڑھتے دیکھتے تو انفرادی بلاکر بڑی فکر سے سمجھاتے، قومہ اور جلسہ کی مسنون دعائیں خود یاد کرواتے۔ نماز سے متعلق مسنون دعاؤں کا کارڈ دیتے اور فرماتے کہ ترجمہ کے ساتھ دعائیں یاد کرلیں۔ قومہ اور جلسہ میں مسنون دعائیں مانگنے سے بہت فائدہ ہوگا۔

کراچی بھر میں اپنی زیرِ نگرانی قائم اداروں میں موجود قیام کرنے والے چوکیداروں اور خدام

کی نمازوں کی بھی بہت فکر فرماتے، اکثر فجر کی نماز کسی بھی شاخ کی قریبی مسجد میں ادا فرماتے اور دیکھتے کہ شاخ کا چوکیدار نمازِ فجر میں موجود ہے یا نہیں؟ موجود نہ ہونے کی صورت میں شاخ کے ذمہ دار کو فکر مند فرماتے کہ چوکیداروں اور خدام کی نماز کی فکر فرمائیں، ادارے کا کوئی بھی شخص بے نمازی نہ ہو۔ درد دِل والا ہی یہ فکر اور محنت کرسکتا ہے۔

اسی طرح جو طلبہ وطالبات شاخوں میں زیرِ تعلیم ہیں، انتظامیہ کے ذریعے ان کے لیے مستقل نظم بنوایا کہ اگر کسی بچے نے نمازِ فجر ادا نہیں کی تو صبح آتے ہی قضاء نماز پڑھ لے، پھر درس گاہ میں جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کئی طلبہ وطالبات بروقت نمازِ فجر پڑھنے کے عادی ہوگئے۔

❷-قرآنِ کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کی فکر

مفتی صاحبؒ کی ایک فکر یہ تھی کہ خواص وعوام قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے والے بن جائیں۔ جو علماء وقرائے کرام ادارے میں تعلیمِ قرآن کے لیے تشریف لاتے ان سے گزارش کرتے کہ تدریس کے ساتھ ساتھ کسی ماہر مجوّد ومُقری کو اپنا قرآن کریم سنائیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ بچپن کا پڑھا ہوا قرآن دوسروں کو پڑھانے کے لیے کافی ہے یا نہیں؟ فنِ تجوید طلبہ میں منتقل کرنا آتا ہے یا نہیں؟

قرآن کریم کی تعلیم میں بعض اوقات ایسا دیکھا جاتا ہے کہ پڑھانے والے کو خود سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے یا پڑھانے والا خود بہت اچھا پڑھتا ہے، لیکن فن منتقل کرنا نہیں جانتا۔ اسی فکر کے پیشِ نظر مفتی صاحبؒ نے کراچی کے اکابر مقرئین ومجودین سے گزارش کرکے شہر بھر کے مختلف مقامات پر تجویدی حلقوں کا قیام عمل میں لایا۔ ان حلقوں میں سیکڑوں کی تعداد میں اساتذہ کرام نے نورانی قاعدہ پڑھانا اور فنِ تجوید کی تدریس سیکھی۔ ایک بڑی تعداد نے ان حلقوں میں مکمل قرآن کریم بھی سنایا۔ اس محنت اور فکر کا اثر اساتذہ کرام کی درس گاہوں میں بھی نظر آنے لگا کہ جہاں طلبہ کی تجوید قابل توجہ تھی، وہاں طلبہ کی قراءت معیاری ہونے لگی۔ آج الحمدللہ ملک بھر میں ایسے حلقے قائم ہوگئے ہیں جہاں اساتذہ کرام ماہرینِ فن سے استفادہ فرماتے ہیں۔

مفتی صاحبؒ کی ایک فکر یہ بھی تھی کہ درسِ نظامی کے طلبہ کرام تجوید سے قرآن کریم پڑھنا سیکھ لیں اور جو حفاظ ہیں انھیں قرآن کریم یاد کرنے کا کوئی باعث مل جائے۔ الحمدللہ مدرسہ بیت العلم میں مخصوص نظم کے تحت اولیٰ تا دورہ حدیث قرآن کریم کا مستقل سبق ہے، جس میں روزانہ فن کے ماہرین تشریف لاتے ہیں اور طلبہ کرام کو مشق کراتے ہیں۔ اس اقدام سے دو فائدے محسوس ہوئے: ایک فائدہ تو یہ کہ بہت سے طلبہ کرام کو شوق ہوا کہ قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ عمدہ لہجے میں پڑھنا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اس نظم سے درسِ نظامی کے

حفاظ طلبہ کرام کے ضبط کا معیار برقرار رہے۔ سال بھر میں درسِ نظامی کے طلبہ کے مابین ’’حُسنِ قراءت و ضبط‘‘ کے عنوان سے دو مسابقوں کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے، جس میں طلبہ کرام کا ذوق وشوق دیدنی ہوتا ہے۔

مفتی صاحبؒ فکرمند رہتے تھے کہ اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ و طالبات بھی تجوید کے ساتھ قرآن کریم پڑھنا سیکھ لیں، اس لیے اپنی زیرنگرانی البدر اسکول کی تمام شاخوں میں مونٹیسوری سے میٹرک تک تعلیم قرآن کریم کو بطور نصاب شامل فرمایا، روزانہ کی بنیاد پر کچھ وقت قرآن کریم کے لیے مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سینکڑوں طلبہ وطالبات نے عصری تعلیم کے دوران اسکول ہی میں ناظرہ قرآن کریم تجوید کے ساتھ مکمل کرلیا۔ یہ عمل دیگر اداروں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ اسی طرح ادارے کے خدام، چوکیدار اور ڈرائیور حضرات کے لیے بھی باقاعدہ نظم بنوایا کہ قرآن کریم تجوید کے ساتھ سیکھ لیں۔ علمائے کرام کی ایک جماعت کو اس کام کے لیے مقرر فرمایا۔

مفتی صاحبؒ تعظیم وتحسینِ قرآن کی بہت رعایت رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے نسخے پر مٹی دیکھتے یا جلد خراب نظر آتی تو شاخ کے ذمہ داران کو فکرمند فرماتے کہ قرآن کریم سے غفلت برتنے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور پکڑ کا خطرہ ہے۔ مذاکرے کے بعد خود ہی کسی جلدساز کی طرف رہنمائی فرماتے کہ فلاں سے رابطہ کرکے قرآن کریم کی جلد کروائیں اور بعض اوقات خود ہی گرد صاف فرمالیتے۔

اپنی زیرِنگرانی حفظ کی شاخوں میں تعلیمی کلینڈر میں ’’تحسینِ مصحف‘‘ کے عنوان سے ایک سرگرمی رکھوائی، تاکہ بچوں کے دلوں میں بچپن ہی سے قرآن کریم کی عظمت پیدا ہو۔ الحمدللہ اس سرگرمی میں طلبہ و طالبات بہت شوق سے حصہ لیتے۔ آج بھی اکثر طلبہ وطالبات کے مصاحف سفید کور اور عمدہ جلد میں نظر آتے ہیں جو مفتی صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کا مظہر ہے۔

❸- جماعت وافرادسازی کا ملکہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جماعت وافرادسازی میں خاص مہارت وملکہ عطا فرمایا تھا۔ کوئی بھی شخص سیکھنے کے جذبے سے آتا تو مفتی صاحبؒ کوشش فرماتے کہ آنے والا کچھ سیکھ کر جائے اور تعلیم و تربیت کے میدان میں خوب محنت کرے۔

بنیادی طور پر مفتی صاحبؒ کام سیکھنے والے کی فکر کو بڑھاتے، محنت کا عادی بناتے اور تلقین فرماتے کہ ہر لمحہ کو قیمتی بنایا جائے۔ مفتی صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر جن علمائے کرام نے اپنی شخصیت کو فکر، محنت اور وقت کو قیمتی بنانے جیسی صفات سے آراستہ کیا، ان سے اللہ تعالیٰ نے خوب کام لیا۔ کراچی ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں ایسے علمائے کرام کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔

مفتی صاحبؒ اکثر فرماتے کہ ہم کتنے ادارے کھول سکتے ہیں؟ کام کا میدان بہت بڑا ہے۔ یہ کوشش کرلیتے ہیں کہ جو ادارے کھلے ہوئے ہیں ان کے ذمہ داران کو اپنی فکر میں شامل کرلیتے ہیں۔ دیگر اداروں میں زیرِتعلیم بچے ہمارے ہی ہیں۔

اسی مقصد کو لے کر گزشتہ بیس سالوں سے مفتی صاحبؒ اپنے رفقاء سمیت ملک بھر میں سفر فرماتے رہے۔ اداروں کے ذمہ داران سے ملاقات فرماتے اور ان کی ذہن سازی فرماتے تھے کہ تعلیم وتربیت دونوں میں جوڑ پیدا کرنا ہے، دونوں لازم وملزوم ہیں۔ عصری اداروں میں علماء کی تقرری پر آمادہ فرماتے۔ الحمدللہ کئی اداروں کے ذمہ داران نے تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی ذمہ داری سمجھا، علمائے کرام کا تقرر کیا اور اداروں کو مزید معیاری بنانے کی نیت کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کئی عصری اداروں میں گرلز و بوائز کیمپس الگ ہوگئے، ہفتہ واری تربیتی بیانات شروع ہوگئے، ظہر کی نماز اسکول ہی میں جماعت سے پڑھوائی جانے لگی، اسکول میں موجود علمائے کرام کے ذریعے والدین کی دینی تربیت کی جانے لگی۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، آمین!

مفتی صاحبؒ کی ایک فکر یہ بھی تھی کہ علمائے کرام عملی زندگی میں آنے کے بعد بھی سیکھتے رہیں۔ اس کے لیے ادارے کے جن علمائے کرام نے میٹرک نہ کیا ہوتا اُنھیں میٹرک کرواتے، لینگویج کورسز کرواتے، بی ایڈ اور ایم ایڈ کرواتے، یہاں تک کہ اگر کسی ساتھی میں ایل ایل بی کا شوق دیکھا تو اس کا بھی بھرپور موقع دیا۔ اس کے لیے تعاون کی باقاعدہ پالیسی بھی بنائی، تاکہ علمائے کرام یک سوئی سے مزید تعلیم جاری رکھ سکیں۔ ہم نے دیکھا کہ بعض ساتھیوں نے مفتی صاحبؒ کی ترغیب سے ہمت کی اور آج وہ ایم ایڈ کرنے کے بعد پرنسپل جیسی اہم ذمہ داری بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

افرادسازی کے ساتھ مفتی صاحبؒ کی خاص صلاحیت جماعت سازی کی بھی تھی۔ عام طور پر کسی بھی کام کی منصوبہ بندی کے بعد اہم فکر یہ ہوتی ہے کہ کام کرے گا کون؟ افراد مل جائیں تو اگلی فکر یہ ہوتی ہے کہ ان میں کڑھن کیسے پیدا ہوگی؟ کڑھن ہو تو مستقل مزاجی اور آپس کا جوڑ کیسے ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مفتی صاحبؒ میں ایسا کمال تھا کہ وہ تعلیم وتربیت سے متعلق کسی بھی کام کا آغاز اور افراد کا انتخاب اللہ تعالیٰ سے بار بار مانگنے کے بعد فرماتے تھے، پھر ان افراد پر اور بالواسطہ ان کے اہل خانہ پر ایسی محنت فرماتے کہ دین کے کام کی اہمیت ومحبت کام کرنے والوں کے دلوں میں ایسی بستی کہ ملازمت کی سوچ ہی ختم ہوجاتی تھی۔

عجز وانکساری سے متعلق ایسی تربیت فرماتے کہ ہر ایک اپنے کو دوسرے کا معاون سمجھتا۔ کسی ساتھی

میں ''انا'' کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تو فوراً تربیت کی فکر فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ کام کرنے والوں میں جوڑ نظر آتا ہے۔ ماشاء اللہ لا قوۃ إلا باللہ!

❹-شہرت و اسبابِ شہرت سے کنارہ کش

مفتی صاحبؒ نے پوری زندگی سادگی سے گزاری، ہٹو بچو کے شور کو پسند نہیں فرماتے تھے، القابات اور تعریف پر ناگواری اور خفگی کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ہی ادارے میں تقریبِ ختم بخاری کے دوران ڈائس پر موجود ساتھی نے اختتامی بیان کے لیے مدعو کرتے ہوئے آپ کو ''مہتمم'' کہا تو ناراض ہوئے اور تنہائی میں بلا کر تنبیہ فرمائی کہ آئندہ اس طرح نہ کہیں، مجمع تو بات سننے آیا ہے اس کے بغیر بھی سن لے گا۔ متعلقین جانتے ہیں کہ زندگی کا اکثر حصہ عام سی گاڑی میں سفر کرتے ہوئے گزار دیا، جس میں اے-سی بھی نہیں چلتا تھا۔ کچھ احباب نے بارہا گزارش کی کہ گاڑی تبدیل کرلیں، لیکن سن کر خاموش رہتے اور کام کی طرف توجہ دلاتے۔

سفرِ حج میں دیکھا کہ کمزوروں اور بوڑھوں کا سامان خود اُٹھا لیتے، قدم بہ قدم ساتھیوں کی رہنمائی فرماتے۔ منیٰ میں ایک رات آرام کے لیے تشریف لائے تو خیمہ بھرا پڑا تھا، مفتی صاحبؒ نے لوگوں کو پھلانگنا مناسب نہ سمجھا اور باہر کھلے آسمان تلے ہی آرام فرمایا۔

تبلیغی اجتماعات میں بھی کوشش فرماتے کہ عوام کے ساتھ ہی بیٹھ کر بات سنیں۔ اسٹیج یا خواص کے حلقوں میں قیام کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ خواص کے حلقے میں کسی بزرگ سے استفادے کی نیت سے تشریف لے جاتے تو آرام کے لیے واپس نکل آتے تھے۔

ملک بھر میں قائم مکاتب کے جوڑ میں علمائے کرام کے مجمع سے بیان کے لیے جانا ہوتا تو تعارف کروائے بغیر ہی بیان شروع فرمادیتے اور یہ نوبت ہی نہ آنے دیتے کہ کوئی ان کا تعارف کروائے اور دعوتِ خطاب دے۔ کہیں کیمرہ دیکھتے تو گزارش کرتے کہ اسے بند کردیں۔ پھر فرماتے کہ ہم یہاں جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں اس کی طرف آجائیں۔ نیز یہ تاکید فرماتے کہ کوئی خیر کی بات مل جائے تو اسے نوٹ کرکے آگے نقل فرمادیں۔

ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ جب کسی مقصد یا اہم کام کے پورا ہونے اور اداروں میں تعلیم و تربیت کا ماحول نظر آنے پر کوئی تعریف کرنے لگتا تو مفتی صاحبؒ فرماتے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، یا یوں فرماتے کہ ساتھیوں نے اس کی فکر فرمائی محنت فرمائی۔ اپنی قربانی اور محنت کا ذکر کبھی ان کی زبان سے نہیں سنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

5-غیبت کرنی ہے نہ سننی ہے

حضرت مفتی صاحبؒ غیبت کرنے اور سننے سے اجتناب فرماتے تھے۔ اسی طرح متعلقین اور علمائے کرام کو بھی بار بار تلقین فرماتے کہ غیبت کرنی ہے نہ سننی ہے۔ اکثر فرماتے کہ جن اداروں میں غیبت کا ماحول ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ نہیں ہوتی، لوگوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک مرتبہ کسی جگہ تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، کچھ لوگ کسی سرکاری محکمے کی برائی کرنے لگے تو مفتی صاحبؒ نے تمام حاضرین کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس محکمے میں بہت سے اچھے لوگ بھی ہیں، آپ نے تو سب ہی کی غیبت کردی۔ پھر خوب ذہن سازی فرمائی کہ غیبت اور ناشکری سے بچنا ہے۔

بیماری کے ایام میں جب بہت زیادہ نقاہت اور درد کی کیفیت تھی، آنکھیں بھی بمشکل کھول سکتے تھے۔ ایک تیماردار نے دوسرے سے کہا کہ ہسپتال کا فلاں عملہ کتنی غلط بیانی کرتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ مفتی صاحبؒ نے اشارہ کرکے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ آپ نے غیبت کی، اب تہجد میں آپ کی دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ پھر فرمایا کہ کعبے کا پردہ پکڑ کر بھی دعا مانگیں تو قبول نہیں ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک سرپرست نے کسی دوسرے ادارے کے ذمہ دار کی غیبت کی، مفتی صاحبؒ کے ساتھ ایک عالم دین بھی موجود تھے، والد کی بات سن کر عالم دین نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کچھ برائی کی۔ یہ سن کر مفتی صاحبؒ ان عالم دین پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ سرپرست تو اس وقت غصے میں ہے، ان کو تسلی دینی چاہیے، آپ عالمِ دین ہو کر بھی غیبت کررہے ہیں۔ الحمدللہ مفتی صاحبؒ کی اس تربیت کا اثر تھا کہ آپ کی مجلس میں کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کوئی کسی فرد یا ادارے کی برائی بیان کرے۔

6-صلہ رحمی

مفتی صاحبؒ وقتاً فوقتاً اپنے اساتذہ کرام و مشائخِ عظام کو ہدیہ خلوص پیش فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ ہمارے محسن ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے۔ ہدیہ لے کر کبھی خود بھی حاضر ہوتے تھے۔ جو اساتذہ کرام دنیا سے تشریف لے جاچکے ان کی اولاد کا پتا معلوم کروا کر ہدیہ پیش کرتے۔ خیر خبر رکھتے، دعاؤں کی درخواست کرتے تھے۔ اسی طرح اپنے معاصرین، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر شہروں کے علمائے کرام سے بھی رابطہ فرماتے، ہدیہ پیش کرتے۔ ایک عجیب بات یہ بھی تھی کہ دیگر علمائے کرام کی مساجد و مدارس کی تعمیر کی بھی فکر فرماتے تھے۔ اس طرح کراچی اور ملک بھر کی کئی مساجد اور مدارس کا قیام جزوی اور کہیں کلی طور پر مفتی صاحبؒ کے تعاون سے ہوا، جب کہ خود ایک مدرسے کے مہتمم تھے۔ یہ مفتی صاحب مرحوم کے

اخلاص کی واضح دلیل ہے۔ مفتی صاحبؒ کے اس عمل کی برکت سے ہم نے دیکھا کہ ’’تہادوا تحابّوا‘‘ (ایک دوسرے کو ہدیہ دو، ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے) کے عین مطابق معاصرین اور متعلقین سے محبت وخلوص کا رشتہ قائم رہا اور تعلیم وتربیت کے کام میں معاونت بھی رہی۔

علمائے کرام ودیگر احباب کی ذاتی ضروریات کا انتہائی خفیہ طریقے سے خیال رکھتے تھے۔ مکانوں کی تعمیر، بچیوں کی شادی، قرضوں کی ادائیگی، ہسپتال کے اخراجات میں بھرپور تعاون فرماتے تھے، حتیٰ کہ سردی کی آمد پر علمائے کرام کو ہدیتاً رقم پیش فرماتے کہ بچوں کے لیے گرم کپڑے اور رضائی خرید لیں۔ مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ علمائے کرام یک سوئی سے دین کی خدمت، درس وتدریس میں مصروف رہیں اور یک سوئی میں کسی قسم کا خلل پیدا نہ ہو۔ مفتی صاحبؒ علمائے کرام کو خاص تلقین فرماتے کہ جہاں تعلیم وتربیت کا کام کریں، اس مقام کے پڑوسیوں سے خوب نبھائیں، انھیں کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں، حتیٰ کہ پڑوس کے چوکیداروں کا بھی خیال رکھیں، اس سے وہ دین دار بنیں گے اور دین کے کام میں معاون بھی۔

۷-تصنیف وتالیف کا ذوق اور نہج

اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحبؒ کو اصلاحِ معاشرہ سے متعلق تصنیف وتالیف کا ایک خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ مفتی صاحبؒ اکثر فرماتے تھے کہ عوام کے لیے جو تحریر لکھی جائے اس میں ’’عمل‘‘ کی بات ضرور بتائی جائے۔ بات مستند اور باحوالہ لکھی جائے، انداز عام فہم اور آسان ہو، تاکہ قاری کو کتاب پڑھ کر عمل کی بات سمجھ آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی اکثر کتب کو عوام وخواص میں خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ کتب پڑھنے کے بعد کئی گھرانے اور ادارے ٹوٹنے سے بچ گئے، کئی لوگ مثالی شوہر، مثالی استاذ اور کامیاب امام بن گئے۔ کئی خواتین مثالی ماں، بہترین ساس، مثالی بیوی اور اللہ سے تعلق بنانے والی بن گئیں۔

مفتی صاحبؒ کی چند مشہور تصانیف

۱-شرح اسمائے حسنیٰ (دو جلدیں)، ۲- پانچ منٹ کا مدرسہ، ۳-مثالی استاذ، ۴- مثالی ماں، ۵-مثالی باپ، ۶-تحفہ دلہا، ۷-تحفہ دلہن، ۸-وصیت لکھیے، ۹-کسی کو تکلیف نہ دیجیے، ۱۰-قرض کی پریشانی سے نجات، ۱۱-قرآن کریم کی تلاوت کے آداب اور دعائیں، ۱۲-عصر سے اشراق تک کے مسنون اعمال اور دعائیں، ۱۳-صحابہؓ کی زندگی، ۱۴-ستر استغفار مع درود شریف، ۱۵-صبح وشام کی دعائیں مع منزل، ۱۶- دعوت تبلیغ کے فضائل، ۱۷-دعائیں سمجھ کر مانگیے، ۱۸- جمعۃ المبارک کی برکتیں، ۱۹-تحفۃ الائمہ،

۲۰-آپ کی مرادیں کیسے پوری ہوں؟ ۲۱- برکت کیسے ملے؟ ۲۲-پریشان رہنا چھوڑ دیجیے، ۲۳-بیماریوں سے شفا اور صحت، ۲۴-تعلیم الدعاء پریشانیوں کا حل نماز کے ذریعے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اسکولوں میں پڑھائی جانے والی درسی کتب سے متعلق بھی فکر فرمائی کہ ملک بھر کے اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے، اس میں حاصلاتِ تعلُّم کی بھرپور رعایت رکھتے ہوئے تحریر کا انداز اور مواد ایسا ہو کہ بچوں کی عملی زندگی پر تحریر کا اثر ہو۔ الحمدللہ اس میدان میں بھی مونٹیسوری سے مڈل تک کے اکثر مضامین پر ایسی کتب تیار کی جاچکی ہیں جن میں معلومات کے ساتھ بچوں کی کردار سازی کو خاص ہدف بنایا گیا ہے۔ مفتی صاحبؒ نے چھوٹے بچوں سے متعلق بھی فکر فرمائی کہ کہانی کہانی میں ان کی تربیت کی جائے، اردو اور انگریزی میں ایسی کتب تیار کروائیں کہ جن کے پڑھنے سے ہمارے بچے سچائی اور امانت داری سے متصف ہو کر بڑوں کا ادب کرنے والے بن جائیں۔ الحمد للہ بچوں سے متعلق پچاس سے زائد کتب تیار ہو چکی ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے بچوں کی دل چسپی کے لیے ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کا اجراء فرمایا۔ الحمدللہ گزشتہ ۲۰ سالوں سے مسلسل اشاعت ہو رہی ہے اور بچوں میں علم کا ذوق اور عمل کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مفتی صاحبؒ نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی ہر ممکن کوشش فرمائی کہ کسی طرح بڑوں اور بچوں کا تعلق کتاب سے بن جائے، معاشرے کے افراد مطالعے کی عادی بن جائیں۔ کتاب سے تعلق اور مطالعے کی عادت بھی تعلیم وتربیت میں معین ہو گی۔

سفرِ آخرت

حضرت مفتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ مطابق ۱۲ نومبر ۲۰۲۵ء رات ڈھائی بجے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔

مفتی صاحبؒ کی نمازِ جنازہ مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی اقتدا میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء، طلبہ اور محبین نے شرکت کی، طَيَّبَ اللهُ ثَرَاهُ وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ولیمہ اور نکاح کی مشترکہ دعوت اور ولیمہ کا مسنون وقت

ادارہ

سوال

ہماری بیٹی کی شادی کی تقریبِ نکاح اور ولیمہ مشترکہ کرنے کا ارادہ ہے، اس تقریب کی دعوت دولہا اور دلہن دونوں کے خاندانوں کی جانب سے تمام مدعوین کو دی جائے گی، اور جملہ عزیزوں اور احباب کی دعاؤں میں اس نئے خاندان کی بنیاد رکھی جائے گی، یہ ارادہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر اور کفایت کی غرض سے کیا ہے؟ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں کہ یہ مشترکہ تقریب اور کفایت کی یہ کوشش دینی نقطۂ نظر سے مناسب ہے؟ والسلام

جواب

واضح رہے کہ نکاح میں سنت یہ ہے کہ مرد کی طرف سے پہلی مرتبہ شبِ زفاف کے بعد ولیمہ کی دعوت کا اہتمام ہو، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شبِ زفاف کے بعد ولیمہ کرنا ثابت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (ج: ۲، ص: ٧٧٦، باب الولیمة) میں اس کی صراحت موجود ہے، اس لیے ولیمہ کا مسنون وقت زفاف کے بعد ہے، تاہم نکاح کے بعد کسی بھی وقت یعنی رخصتی سے پہلے یا بعد میں دعوتِ نکاح تو منعقد ہو جائے گی، مگر رخصتی سے پہلے جو کھانا کھلایا جائے گا، اس سے ولیمہ کے مسنون وقت کی سنت ادا نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سنت یہی ہے کہ مرد کی طرف سے شبِ زفاف کے بعد حسبِ استطاعت صرف سنت دعوتِ ولیمہ کا ہی اہتمام کیا جائے، تاہم اگر لڑکی والے بھی خوشی کے موقعہ پر بلا جبر و اِکراہ کسی سماجی دباؤ کے بغیر لڑکے والوں کے ساتھ مل کر کھانا کھلانا چاہیں تو اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ ایسی مشترکہ تقریب شبِ زفاف کے بعد منعقد کی جائے، تاکہ ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

’’عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى علٰی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال : ماھٰذا؟ قال : إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، قال : بارك الله لك، أوْلِمْ ولو بشاةٍ.‘‘(مشکوۃ المصابیح، باب الولیمۃ : ۲۷۷)

’’إعلاء السنن‘‘ میں ہے:

’’وحديث أنسؓ في ھٰذا الباب صريح في أنها أي الوليمة بعد الدخول الخ.‘‘

(إعلاء السنن، ج: ۱۱، ص: ۱۱، ط: إدارة القرآن)

فتویٰ نمبر: 8767-1434 　　　 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ایمان وعقیدے کے بارے میں وسوسے اور شک میں مبتلا ہونا

سوال

وسوسے اور شک میں کیا فرق ہے؟ کوئی چیز ہو چاہے وہ دنیا کے لحاظ سے ہو یا آخرت کے لحاظ سے، چاہے وہ ایمان اور عقیدے کے لحاظ سے ہو یا پھر کوئی اور لحاظ سے، آپ سے اب یہ بات جاننا ہے کہ اگر کسی کو ایمان وعقیدے کے حوالے سے وسوسہ آئے اور اس آدمی کو سو فیصد یقین ہو جائے کہ یہ بات سو فیصد صحیح یا غلط یعنی اس کو ایک طرح کا شک پیدا ہوا ہو، لیکن پھر بعد میں وہ بہت زیادہ پچھتائے، رنج وغم میں مبتلا ہو، بہت پریشان ہو، روئے بھی اور مایوس بھی ہو جائے، چاہے وہ بات، خیال یا سوچ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور قرآن یا جنت جہنم کے بارے میں آئے، اللہ بچائے کسی کو اگر ختمِ نبوت کے حوالے سے ایسی سوچ اور خیال آئے، لیکن سو فیصد یقین کے ساتھ ایسا خیال آئے، پھر بعد میں پچھتائے، رنج وغم میں مبتلا ہو جائے اور روتا رہے کہ ایسی سوچ مجھے نہیں آنی چاہیے تھی، اگر وہ سوچ کچھ دیکھنے سے آئے اور اس کا دل اس وقت مان جائے کہ یہ صحیح ہے، لیکن بعد میں وہ ڈپریشن اور گھبراہٹ کا شکار ہو جائے، کیا یہ وسوسہ کہلاتا ہے یا شک؟ میں نے سنا ہے کہ وسوسہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان خود نہیں لینا چاہتا، لیکن دل ودماغ میں خود بخود آ جاتا ہے۔

جواب

واضح رہے کہ دین کے کسی رکن، حکم یا دین سے متعلق کسی بھی قطعی چیز کے بارے میں وسوسہ شیطان کی طرف سے آتا ہے، اور شیطان کی طرف سے ان وساوس کو لانے کا مقصد انسان کے دل ودماغ میں وساوس اور شک پیدا کر کے اس کے ایمان کو کمزور کرنا ہے، نیز غیر اختیاری وسوسہ آنا اور اسے بُرا سمجھنا ایمان کی علامت

ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے:

’’وعنه رضي الله عنه قال: جاء ناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليهِ وسلمَ إلى النبي صلى الله عليهِ وسلم، فسألوه: إنا نجد في أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم بهٖ، قال: ’’أو قد وجدتموه؟‘‘ قالوا: نعم. قال: ’’ذاك صريح الإيمان.‘‘ رواه مسلم ‘‘ (مشكاة المصابيح، باب في الوسوسة، ج:۱، ص: ۱۹، ط: رحمانية)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ہم اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں یعنی وسوسے پاتے ہیں کہ جن کا زبان پر لانا بھی ہم بُرا سمجھتے ہیں، سرکار نے پوچھا! کیا تم واقعی ایسا پاتے ہو (کہ جب کوئی ایسا وسوسہ تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو خود تمہارا دل اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس کا زبان پر لانا بھی تم بُرا سمجھتے ہو؟) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں! تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھلا ہوا ایمان ہے۔‘‘ (مظاہرِ حق، ج:۱، ص:۱۴۳، ط: دارالاشاعت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں فرماتے ہیں کہ (۱/۱۳۶):

’’(في أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به) أي: نجد في قلوبنا أشياء قبيحة نحو: من خلق الله؟ و كيف هو؟ و من أي شيء؟ و ما أشبه ذٰلك مما يتعاظم النطق بهٖ لعلمنا أنهٗ قبيح لايليق شيء منها أن نعتقدهٗ، و نعلم أنهٗ قديم، خالق الأشياء غير مخلوق، فما حكم جريان ذٰلك في خواطرنا؟ ... (صريح الإيمان) أي: خالصه يعني أنهٗ أمارته الدالة صريحاً على رسوخهٖ في قلوبكم، و خلوصها من التشبيه، و التعطيل؛ لأن الكافر يصر على ما في قلبه من تشبيه الله سبحانهٗ بالمخلوقات، و يعتقدهٗ حسنا، و من استقبحها و تعاظمها لعلمهٖ بقبحها، وأنها لاتليق بهٖ تعالىٰ كان مؤمناً حقاً، و موقناً صدقاً فلاتزعزعهٗ شبهة، و إن قويت، و لاتحل عقد قلبهٖ ريبة، و إن موهت، و لأن من كان إيمانهٗ مشوباً يقبل الوسوسة، ولايردها.‘‘

یعنی: ’’صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس جملہ ’’ہم اپنے دلوں میں کچھ خیالات ایسے پاتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ان کو بیان نہیں کرسکتا۔‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ ’’ہم اپنے دلوں میں بری چیزیں پاتے ہیں، مثلاً: اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اور وہ کیسا ہے؟ اور کس چیز سے ہے؟ اور اس طرح کی اور چیزیں کہ جن کا بیان کرنا بھی مشکل ہے، اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ قبیح باتیں ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ ہم اس پر اعتقاد رکھیں، بلکہ ہم جانتے ہیں کہ: اللہ قدیم ہے، ازل سے ہے، ہر چیز کا

خالق ہے، مخلوق نہیں ہے، تو ایسے خیالات جو ہمارے دل میں آتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ یہ تو صریح ایمان ہے، یعنی ایسے وساوس آنے پر انہیں برا سمجھنا یہی صریح ایمان ہے، اس لیے تم اس وساوس کو دل میں پانے کے بعد جھڑک دیتے ہو، اور اس کو برا سمجھتے ہو تو یہ تمہارے ایمان کی علامت ہے۔''

لہٰذا ان خیالات اور وسوسوں سے پریشان نہ ہوں، اور ان کا علاج یہ ہے کہ ان کی طرف بالکل دھیان نہ دیا جائے۔ بعض علماء نے وساوس میں مبتلا اشخاص کی تسلی وتسکین کے لیے کہا ہے کہ جس طرح چور اُس گھر میں جاتا ہے جہاں کچھ مال ومتاع ہوتا ہے، اسی طرح جس دل میں ایمان ہوتا ہے شیطان وہاں آکر وساوس ڈالتا ہے:

''وقیل: المعنی أن الوسوسة أمارة الإیمان؛ لأن اللص لایدخل البیت الخالي.'' (مرقاۃ المفاتیح: ۱۳۷/ ۱)

اس لیے ان وساوس کو دل میں جگہ نہ دی جائے، ان کے مقتضا پر عمل یا لوگوں کے سامنے اُن کا اظہار نہ ہو، بلکہ ان کا خیال جھڑک کر ذکر اللہ کی کثرت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے:

''وعنه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیهِ وسلم: '' یأتي الشیطان أحدکم فیقول: من خلق کذا؟ من خلق کذا؟ حتی یقول: من خلق ربك؟ فإذا بلغهٗ فلیستعذ بالله ولینته. متفق علیه''

(مشکاة المصابیح، باب في الوسوسة، ج:۱، ص: ۱۹، ط: رحمانیة)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آں کہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کردے۔''

(مظاہرِ حق، ج:۱، ص:۱۴۳، ط: دارالاشاعت)

حدیث شریف میں ہے:

''وعن أبي هریرةَ رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''لایزال الناس یتساءلون حتی یقال: هٰذا خلق الله الخلق فمن خلق الله؟ فمن وجد من ذٰلك شیئاً، فلیقل: آمنت بالله ورسلهٖ.''

(مشکاة المصابیح، باب في الوسوسة، ج:۱، ص: ۱۹،ط: رحمانیة)

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ ہمیشہ اپنے

دل میں مخلوقات وغیرہ کے بارے میں خیالات پکارتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ (یعنی دماغ میں یہ وسوسہ آئے گا) کہ اس تمام مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے، تو خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس شخص کے دل و دماغ میں اس قسم کا کوئی خیال اور وسوسہ پیدا ہو تو وہ یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔'' (مظاہر حق، ج:۱، ص:۱۴۴، ط: دارالاشاعت)

لہٰذا ان وسوسوں کے علاج کے لیے مذکورہ نسخۂ نبوی ﷺ پر عمل کیا جائے، اور ساتھ ساتھ یہ اعمال کریں:

(۱) أَعُوْذُ بِاللّٰهِ ، (۲) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا ورد کرے، (۳) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ، (۴) نیز رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کا کثرت سے ورد بھی ہر طرح کے شیطانی شکوک و وساوس کے دور کرنے میں مفید ہے۔

اور اگر سائل کو یوں لگے کہ یہ وسوسہ ہے یا شک؟ تو سائل کسی معتبر عالم دین یا مفتی صاحب کے پاس حاضر ہو کر اُن کو اپنی ذہنی کیفیات واضح کر کے مسئلہ معلوم کرلے۔ فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144307101068 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

مسلمان عورت کے لیے ٹیکہ، ماتھا پٹی اور ناک کی نتھ پہننا بوٹاکس (ناک سیدھا) اور لپ فلرز (ہونٹ موٹے) کروانا

سوال

۱: کیا مسلمان عورت کے لیے ٹیکہ، ماتھا پٹی، اور ناک کی نتھ پہننا جائز ہے؟

۲: بوٹاکس کروانا کیسا ہے؟ بوٹاکس کا مطلب ہے کہ مثلاً ناک کو سیدھا اور صحیح کرنا، شیپ میں لانا، یہ عمل بذریعہ انجیکشن کیا جاتا ہے۔

۳: لپ فلرز کروانا کیسا ہے؟ یعنی بذریعہ انجیکشن ہونٹوں کو مزید اُبھارا جاتا ہے اور مزید موٹا کیا جاتا ہے۔

جواب

۱: مانگ ٹیکا (زیور کا ایک ٹکڑا جو مانگ کے درمیان سے باریک زنجیر کے ذریعے پیشانی پر لٹکایا جاتا ہے)۔ ماتھا پٹی (ایک خاص قسم کا زیور ہے جو پیشانی سے سر کے دونوں طرف پٹے کی شکل میں پہنا جاتا ہے)

اور نتھ (جو ناک میں پہنی جاتی ہے) یہ سب زیورات کی قسم ہیں، اور عورتوں کے لیے شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے ان کا استعمال جائز ہے۔ البتہ پیشانی پر بندیا (دونوں بھنوؤں کے درمیان سرخ نشان) لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ خالص ہندوانہ طریقہ اور ان کا شعار بن چکا ہے۔ ''الدر المختار مع رد المحتار'' میں ہے:

''ولا بأس بثقب أذن البنت والطفل استحسانا، ملتقط. قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف، لم أر.''

وفي ''الشامية'':

''(قوله: لم أره) قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط اهـ ط وقد نص الشافعية على جوازه مدني.''

(كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ٦/٤٢٠، ط:سعيد)

۲: ہماری معلومات کے مطابق ''بوٹاکس'' (Botox) ایک پروٹین ہے جو بوٹولینم وائرس سے پیدا ہوتا ہے، اس کو انجیکشن کے ذریعے جلد میں لگایا جاتا ہے اور یہ طبی اور کاسمیٹک طریقہ کار میں پٹھوں کو عارضی طور پر آرام کرانے، چہرے کی جھریوں کو دور کرنے، پیشانی اور آنکھوں کے گرد پڑنے والی لکیروں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ پٹھوں کے کھنچاؤ اور دردِ شقیقہ جیسی حالتوں کے علاج کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

لہٰذا ''بوٹاکس'' (Botox) میں انجکشن کے ذریعے جلد میں داخل کیے جانے والے لیکویڈ میں اگر کوئی ناپاک یا حرام اجزاء شامل نہ ہوں، نہ ہی یہ مضرِ صحت ہوں اور نہ ہی ان کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہوگا، نیز اگر محض اس پروٹین کے اثرات سے ناک کی جھریاں ختم ہو جائیں اور وہ باریک معلوم ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، تاہم اگر یہ زیب و زینت کے لیے کیا جائے تو اس میں اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس میں شرعی حدود کا خیال رکھا جائے، مثلاً نامحرموں کے سامنے زینت کا اظہار یا تفاخر وغیرہ مقصود نہ ہو۔

باقی محض خوبصورتی کی غرض سے ناک کی مستقل سرجری کروا کر اس کو باریک کروانا جائز نہیں ہے؛ یہ خلقی، فطری اوصاف میں تبدیلی ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

۳: کسی بیماری کی وجہ سے اگر ہونٹوں میں قدرتی ٹشوکم یا ختم ہو گئے ہوں یا گڑھے وغیرہ پڑ گئے ہیں تو ''لپ فلرز'' (انجیکشن کی مدد سے جلد میں ''ہائیلورونک ایسڈ'' (Hyaluronic acid) وغیرہ محلول کو جلد میں داخل کرنے) کے علاج کے ذریعے اس عیب کا ازالہ کرنے اور ہونٹوں کو عام حالت کے مطابق معتدل کرنے کی گنجائش ہوگی، بشرط یہ کہ اس میں کسی قسم کے ناپاک یا حرام اجزاء شامل نہ ہوں، اور نہ ہی یہ مضرِ صحت ہوں۔ تاہم محض خوبصورتی اور حسن بڑھانے کی غرض سے ہونٹوں کو اُبھارنے یا موٹا کرنے کے لیے ''لپ فلرز''

کا استعمال جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ خلقی، فطری اوصاف میں تبدیلی ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے:

’’فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ.‘‘ (سورۃ الروم:۳۰)

ترجمہ: ’’اللہ کی فطرت پر قائم رہو، جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اس کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں۔‘‘ (ترجمہ از بیان القرآن)

حدیث شریف میں ہے:

’’عن عبد الله رضي الله عنه: لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله، ما لي لا ألعن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في كتاب الله.‘‘

(الصحيح للبخاري، كتاب اللباس، باب المستوشمة : ١٦٧/ ٧، ط: دار طوق النجاة)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گدوانے والی عورتیں اور بال کو نوچ کر نکالنے والی اور حسن کے لیے دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر جو اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی ہیں، ان سب پر لعنت کی ہے، پھر میں کیوں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور وہ بات کتاب (قرآن) میں موجود ہے۔‘‘

’’تکملة فتح الملهم‘‘ میں ہے:

’’والحاصل أن كل ما يفعل من جسم من الزيادة أونقص من أجل الزينة بما يجعل الزيادة أو النقصان مستمرا مع الجسم وبما يبدو منه أنهٗ كان فى أصل الخلقة هٰكذا، فإنهٗ تلبيس وتغيير منهي عنه ، وأما ما تزينت به المرأة من تحمير الأيدي أو الشفاه أو العارضيين بما لا يلتبس بأصل الخلقة، فإنهٗ ليس داخلا في النهي عند جمهور العلماء ، وأما قطع الإصبع الزائدة ونحوها ليس تغييرا لخلق الله وإنهٗ من قبيل إزالة العيب أو مرض، فأجازهٗ أكثر العلماء خلافا لبعضهم.‘‘ (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ١٩٥/ ٤، ط: مكتبة دارالعلوم)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144502100219 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نَقدُ و نظَر

ادارہ

جامع الدروس العربية

(المرتَّب حسب مباحث الصرف والنحو والبلاغة والعروض)

تالیف: شیخ مصطفیٰ الغلاییني رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۴ - ۱۳۶۴ھ)۔ ترتیب وتسہیل وتخریج: مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی۔ صفحات: ۸۰۰۔ نٹ قیمت: ۲۰۰۰۔ ناشر: مکتبۃ الحماد، دکان نمبر: ۸، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0334-3455955

عربی زبان کو دنیا کی باقی تمام زبانوں کی بنسبت دینی فضیلت وشرف حاصل ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے سب سے افضل کلام قرآن مجید کی زبان ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے، اہلِ جنت کی زبان ہے۔ دینِ اسلام کا بنیادی ماخذ ولٹریچر چونکہ عربی زبان میں ہے، اس لیے علماءِ دین کے لیے عربی زبان سے واقفیت اور اس کا سیکھنا سکھانا ضرورت کے درجہ میں ہے، نیز عربی زبان دنیا کی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان ہے، جس کے کماحقہٗ سمجھنے کے لیے کئی علوم وفنون کے اُصول وضوابط مقرر کیے گئے ہیں، ان علوم کا سیکھنا سکھانا عربی زبان سے واقفیت کے لیے ضروری ہے، ان کے بغیر عربی زبان کو کماحقہٗ سمجھنا مشکل ہے، مثلاً: علمِ صرف، علمِ اشتقاق، علمِ نحو، علمِ بلاغت، علمِ عروض وقوافی، علمِ بیان، علمِ معانی، علمِ بدیع، وغیرہ۔

زیرِتبصرہ کتاب عربی زبان کے سیکھنے سکھانے کے لیے ضروری علوم: علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ بلاغت اور علمِ عروض کے مباحث پر مشتمل ایک قابلِ قدر خزانہ ہے، اس کتاب میں مذکورہ علوم کے اصول وضوابط کو آسان کر کے پیش کیا گیا ہے، اور ہر اُصول وضابطہ کو کئی کئی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے، ان مثالوں میں اچھی خاصی مقدار قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کی ہے، جن کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

اصل کتاب بیروتی لبنانی عالم شیخ مصطفیٰ الغلاییني رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کردہ ہے، جو چار علوم کے مباحث پر مشتمل ہے: علم صرف، علم نحو، علم بلاغت، علم عروض۔ اصل کتاب میں ترتیب وانداز کسی قدر مغلق تھا، بالخصوص قواعدِ صرفیہ کے متفرق ومنتشر ہونے کی وجہ سے ضبط میں مشکل پیش آتی تھی، مرتبِ کتاب مولانا عبدالرشید ہاشمی صاحب استاذ مدرسہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، گلستانِ جوہر کراچی نے کتاب کے تمام مباحث کو مرتّب کرنے کے ساتھ ساتھ تسہیل، تصحیح، تخریج اور ترقیم کا اہتمام کیا ہے۔ ہر باب کو عنوان دے کر اس کے شروع میں ہی تمام مباحث اور فصول کا اجمالی تذکرہ کتاب کے مضامین کے ضبط وحفظ کو مزید آسان بناتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے کتاب کی اجمالی فہرست پیش کی جارہی ہے، جزوِ اول (علم صرف) کی فہرست درج ذیل ہے:

ترجمة المؤلف، مقدمة المؤلف، المقدّمة، الباب الأول: الفعل و أقسامه، الباب الثاني: الاسم و أقسامه، الباب الثالث: تصريف الأفعال، الباب الرابع: تصريف الأسماء، الباب الخامس: تصريف الأفعال والأسماء، الباب السادس: المبني والمعرب من الأفعال.

جزوِثانی (علم نحو) کی فہرست درج ذیل ہے:

المقدّمة: اللغة العربية وعلومها، الباب الأول: الفعل وأقسامه، الباب الثاني: الاسم وأقسامه، الباب الثالث: المبني والمعرب من الأفعال، الباب الرابع: إعراب الأسماء وبناؤها، الباب الخامس: مرفوعات الأسماء، الباب السادس: منصوبات الأسماء، الباب السابع: مجرورات الأسماء، الباب الثامن: التوابع وإعرابها، الباب التاسع: حروف المعاني، الخاتمة.

کتاب کے آخر میں تقریباً پچاس صفحات میں ''المباحث البلاغية والعروضية'' کے عنوان سے علم بلاغت اور علم عروض کی مباحث ہیں۔

کتاب اپنی علمی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری خوبیوں سے بھی مُزیَّن ہے۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ (پیلا میٹ پیپر)، طباعت دورنگہ، جلد مضبوط، ٹائٹل بیروتی اسٹائل اور ریگزین کا ہے۔

علومِ عربیہ سے شغف رکھنے والے علماء اور طلبہ کو اس کتاب کا ایک بار ضرور مطالعہ کرلینا چاہیے اور علومِ عربیہ کی مراجعت وتصدیق اور تحقیق کے لیے بھی اس کتاب کا لائبریری میں ہونا مفید بلکہ ضروری ہے۔